جلد 6 شمارہ 5 جولائی 2004ء جمادی الاوّل 1425ھ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

اللہ

محبت

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض ومقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اسکی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اورادو اذکار کی تلقین۔
- غصہ ونفرت، حسد وبغض، تجسس وغیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 6 شمارہ 5 جولائی 2004ء جمادی الاول 1425ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ——— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

محمد صدیق ڈار توحیدی

مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:0431-862835

Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

وحید احمد

تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-881379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020

E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
اداریہ	وحید احمد	1
خودکشی مت کرو	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ	3
زکوٰۃ کا بیان	مولانا محمد یوسف اصلاحی	11
اسلامی نظام عدل کی چند امتیازی خصوصیات	مولانا سید محمد متین ہاشمی	17
اسلامی تصوف کا مآخذ	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	23
معاشرے کیلئے ضروری دینی اصلاحات	مفتی محمد شفیعؒ	29
حیات ملی اور علماء ومشائخ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	34
شیخ عبدالمجید سندھی	ڈاکٹر عبدالغنی فاروق	43
عشق کے ہیں نئے نئے انداز	مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری	49
ہم کہاں سے بھٹکے	کے۔ ایم اعظم	55
اسلامی تمدن سے جدید سائنس کی ابتداء	ہارون یحییٰ	58

اداریہ

شریعت الٰہی کے بارے میں ایک عام مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ قانون خداوندی ہے جو آنحضرت ﷺ نے اُمت کی دنیا اور آخرت کی اِصلاح کیلئے اپنے رب سے پا کر اُمت تک پہنچایا ہے۔ اِس لئے کسی باہوش مسلمان کیلئے یہ گنجائش نہیں کہ تمام احکام تو ایک طرف کسی ایک حکم کو بھی بدل ڈالے یا اِس کی بجائے کسی اور قانون کو برضا و رغبت قبول کرے۔ یہ قانون الٰہی ہر زمان و مکاں میں اُمت کی مشکلات کا واحد حل ہے۔ اِنسانی قوانین اگر ایک جگہ یا ایک وقت کیلئے مناسب ہوں گے تو دوسرے وقت اور دوسری جگہ کیلئے نامناسب۔ اِنسانی عقل کیلئے یہ ناممکن ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر زمانہ کی پوری امت کے مصالح کا احاطہ کر کے سب کیلئے ایک عام قانون قانون تجویز کر دے۔ وہ آج ایک قانون بنائے گی کل اس کو توڑ ڈالے گی اس کے مقابلے میں اللہ کا علم ازل سے ابد تک ہر ہر زرہ عالم پر حاوی ہے۔ اس لئے اس کا قانون ہر دور اور ہر جگہ تمام بندوں کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ پس جو شخص اسلامی شریعت کو غیر اسلامی قوانین کے قریب لانا اور ان ہی کی طرز پر ڈھالنا چاہتا ہے وہ دل کا مریض اور عقل کا اندھا ہے۔ وہ لاکھ ترقی اور اصلاح کے نعرے لگائے لیکن زبوں حالی اور فساد کے سوا اِس کے پلے کچھ نہیں پڑیگا۔ اور جو شخص علم الٰہی اور شریعت الٰہیہ پر اپنی عقل کو ترجیح دیتا ہے اِسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اسی طرح جو شخص شریعت اسلامیہ کو اپنے دور کیلئے نامناسب تصور کرتے ہوئے دل میں تنگی محسوس کرتا ہے وہ بھی اسلام سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

"پس نہیں تیرے رب کی قسم یہ کبھی ایماندار نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ آپؐ کو اپنے تمام اختلافات میں حکم نہ تسلیم کرلیں پھر آپؐ کے فیصلے سے اپنے جی میں کوئی تنگی نہ پائیں اور دل و جان سے اِسے تسلیم نہ کرلیں"۔

تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ کسی اسلامی حکومت کو اسی قدر کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی جس قدر اس نے دامن شریعت کو تھاما تھا۔ اور اتنی ہی زلت نصیب ہوئی جتنی وہ احکام شرعیہ سے دور ہوئی۔ ہمارے پاس تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ حضرت علیؓ کا نہایت حکیمانہ ارشاد ہے:۔ ترجمہ! جب بھی لوگ اپنی دنیا سنوارنے کیلئے دین کی کسی بات کو چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر اس سے بڑھکر ضرر رساں چیز کا دروازہ کھول دیتے ہیں''۔

کچھ ایسی ہی صورتحال اِس وقت ہمارے ملک اور عالم اسلام کی ہے۔ شریعت کے واضح احکامات کے ہوتے ہوئے عالم اسلام کے کرتا دھرتا اپنے مسائل کے حل کیلئے غیر مسلم اقوام سے مدد کے خواہاں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ حضرات شریعت کے احکامات پر عمل کریں تو ان کے ذاتی مفادات کو ٹھیس پہنچتی ہے ان کا ایمان اتنا کمزور ہے کہ ذاتی مفادات کو اللہ کی رضا کی خاطر قربان نہیں کر سکتے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے جو آج سارے عالم اسلام پر زلت ورسوائی مسلط ہو گئی۔ مسلمان ہر جگہ پٹ رہے ہیں۔ کوئی اِن کا پرسان حال نہیں۔ یہ حالت اس وقت تک رہیگی جب تک ہم اپنے مقصد حیات کو پہچان کر اپنے آپ کو اس کی ضروریات کے مطابق ڈھال نہیں لیتے۔

اللہ سے دُعا ہے کہ تمام عالم اِسلام کو شریعت الٰہی کو اپنے اوپر نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

وحید احمد

خود کشی مت کرو

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ

وانفقو فی سبیل الله ولا تلقوا باید کم الی التھلکه

میرے بھائیو اور دوستو! میں نے آپ کے سامنے ابھی سورۃ بقرہ کی ایک آیت پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اور نیکی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اچھی طرح کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ یہ آیت جس کا ٹکڑا بہت سے مسلمانوں کو یاد ہوگا۔ بہت جگہ اس سے صحیح اور غلط طریقہ پر کام بھی لیتا ہے۔ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس آیت کی صحیح تفسیر اور اس کے نازل ہونے کا موقعہ اور اس کی اصل مراد اس واقعہ سے معلوم ہوگی جو میں آپ کو سنانے والا ہوں۔

ایک جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت ابوایوب انصاریؓ

ایک مرتبہ مسلمانوں کی فوج جس میں صحابہ کرامؓ بھی تھے اور بڑے مرتبہ کے مسلمان بھی، قسطنطنیہ (استنبول) کا محاصرہ کررہی تھی، وہ قسطنطنیہ جو اس وقت خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ مگر اس وقت اس کا فتح ہونا مقدر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو کسی اور زمانہ میں کسی اور سے یہ کام لینا تھا اور اسے اسلام کے قبضہ میں آنا تھا..... اس وقت اس فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ تھے۔ انہیں میں سیدنا ابوایوب انصاریؓ بھی تھے، جن کو صحابیت کے شرف اور دوسرے بڑے بڑے کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی دولت سے بھی نوازا تھا۔ جس پر قیامت تک مسلمانوں کو رشک آئے گا اور رشک آنا چاہیے۔ یعنی کہ جو ساری دنیا کا میزبان تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ضیافت کرنے، اور اللہ کے خوان نعمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مبعوث فرمایا تھا، ان کی میزبانی ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوایوب انصاریؓ کو عطا فرمایا تھے یعنی میزبان عالمؐ ان کے مہمان رہے ہیں۔ یہ ایسی فضیلت تھی کہ صحابہ کرامؓ اس کا پاس ولحاظ رکھتے تھے اور ان کو رشک اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی ہر بات بڑی توجہ سے سنی جاتی تھی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہونے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کی ضیافت کی اور آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کو سب سے پہلے زیادہ قرب کا موقع ملا۔ اس لئے اسلام کی روح سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا منشاء سمجھنے کا ان کو وہ حق بھی

تھا جو ہر مسلمان کو ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی طویل صحبت بھی حاصل
ہوئی تھی۔ اسی لئے ذات نبویؐ سے مناسبت اور قربت نے ان کو مومنانہ فراست اور ایمانی [illegible]
بخشی تھی اور انہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، وہ حضرت ابوایوب انصاری
بھی اس جہاد میں بہ نفس نفیس شریک تھے۔

دوران جہاد، ایک آدمی کا، غلط تفسیر بیان کرنا

اسی دوران میں کہ محاصرہ جاری تھا اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ایک
صحابیؓ سر بکف صف سے نکلے اور صفوں کو چیرتے پھاڑتے آخری صف تک جہاں عام طور پر [illegible]
کو لڑانے والے ہوا کرتے ہیں، وہاں تک پہنچ جاتے پھر اسی طریقہ سے صفوں کو درہم برہم کرتے
واپس ہوتے، جیسے کوئی مشاق کھلاڑی اپنے کمالات دکھاتا ہے۔ اس طرح وہ دور تک دشمنوں
فوج میں پہنچ جاتے اور پھر واپس چلے جاتے۔ دیر تک یہ ہوا پھر مسلمانوں کی زبان سے بے ساختہ
نکلا کہ یہ کام تو صریحاً قرآن مجید کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تلقو بایدیکم الی التھلکۃ

''یعنی تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔ یعنی جان بوجھ کر ایسا کام نہ کرو جس سے جان
جاتی ہو اور یہ تو ایک طرح کی خودکشی ہوئی، یہ شخص اس طرح کی خودکشی کر رہا ہے کہ اکیلا آدمی
طرح دشمنوں کے نرغے میں گھس جاتا ہے۔ گویا کہ دشمنوں کے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے۔
اس کو مناسب نہیں، یہ کام جائز نہیں۔

سیدنا ابوایوب انصاریؓ کا، صحیح تفسیر کی طرف متوجہ کرنا

سیدنا ابوایوب انصاریؓ نے اس پر فرمایا کہ دوستو! اس آیت کی تفسیر ہم سے پوچھو
ہمارے گھر کی آیت ہے۔ یہ ان آیتوں میں سے ہے، جن کا تعلق خاص طور پر حضرات انصار
ہے صحابہ کرامؓ متوجہ ہوگئے اور تمام مسلمان ہمہ تن گوش بن کر کھڑے ہوگئے کہ دیکھیں رسول
اللہ ﷺ کے میزبان جلیل القدر صحابیؓ قرآن کا بہت علم رکھنے والے اس آیت کی کیا تفسیر
کرتے ہیں؟۔

صحابہ کرامؓ کی دینی جدوجہد اور اس کے نتائج

انہوں نے فرمایا کہ اصل میں یہ آیت اس موقعہ پر نازل ہوئی کہ جب اسلام مدینہ منورہ

ر کو چھوڑ کر اور سب سے آنکھیں بند کر کے دین کے کام میں ہمہ تن لگ گئے۔ کیسا باغ؟
بھی؟ کیسی دوکان؟ کیسا مکان؟ کیسی اولاد؟ سب کچھ دین پر قربان تھا، اور ساری پونجی
یاں کی تھی۔ بالکل ایک سرفروشی اور خودفراموشی کی حالت تھی جو اسلام کی خدمت کے لئے سب
ر نثار ہوئی تھی، کسی کو اپنے گھر بار کا ہوش نہ تھا۔ اس ایثار قربانی کا اس ظاہری دنیا میں جو قدرتی
نتیجہ ہوا کرتا ہے، اور جو قانون خداوندی اور قانون تکوینی ہے وہ ہوا۔ ہماری تجارت کے دیوالیے
نکل گئے، ہمارے باغات ویران ہو گئے، ہماری کھیتیاں برباد ہو گئیں۔ غرض یہ کہ ہمارے کاروبار
سے متاثر ہوئے، لیکن اسلام گھر گھر پھیلنے لگا۔ جیسے نور پھیلتا ہے اور بارش ہوتی ہے، اس طرح
سارا مدینہ میں پھیلنے لگا۔ اب پہلی سی حالت نہ رہی۔ یعنی اتنا تو ابھی نہیں ہوا کہ سارا مدینہ
مسلمان ہو جائے لیکن ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ بہتیرے دولت مند ایمان سے مالا
مال اور سینکڑوں اس باران رحمت سے نہال ہو گئے۔

دینی جدو جہد کے دوران صرف چھٹی کا تصور

اس وقت ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ پہلے کی طرح اب اسلام کو اس درجہ ہماری خدمات
ہمارے کل اوقات کی، اور ہمارے بالکل تن من دھن سے اس کی خدمت میں لگ جانے کی
ضرورت نہیں ہے۔ احکام حالات کے ساتھ بدلتے ہیں۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ کوئی اپنے گھر نہ
بیٹھے کوئی اپنی جان کو اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو اسلام سے زیادہ عزیز نہ سمجھے اور جب ضرورت تھی تو
سب کچھ چھوڑ کر اسلام کی خدمت کے لئے کود پڑے تھے۔ اللہ نے اس کی توفیق دی اور ہم نے
یہ کیا۔ لیکن اب وہ پہلی سی حالت نہیں ہے، اب خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کی تعداد میں
بہت بڑا اضافہ ہو گیا ہے اب اسلام کے خدمت گزار اور اس کے سپاہی اور اس کے مبلغ بہت
ہیں۔ اس لئے اگر ہم تھوڑے دن کی چھٹی لے لیں تو کیا حرج ہے؟ چھٹی کا قانون تو ہر نظام میں
ہوتا ہے۔

بدرجہ ضرورت اور عارضی چھٹی کا خیال

یہ بات تو ان حضرات کے ذہن میں وسوسہ کے درجہ میں آئی۔ یہ وسوسہ اور ایک خیال بھی
نہیں آ سکتا تھا کہ ہم اپنے آپ کو مستقل طور پر سبکدوش کرا لیں کہ حضورؐ! اب اسلام کی خدمت
کرنے والے بہت ہو گئے ہیں۔ ہم کو آپ چھٹی دے دیجئے تا کہ ہم اپنے گھر جا کر بیٹھیں۔ اتنے

دن ہم نے کام کیا اب دوسرے کام کریں۔ یہ بات تو ان حضرات کے خواب وخیال میں بھی نہ
آ سکتی تھی۔ صرف اتنا ہی خیال ہوا تھا کہ وقتی طور پر محض عارضی طور پر کچھ چھٹی لے لیں، آدمی
جنگ سے چھٹی لیا کرتا ہے۔ اس کو گھر واپس کیا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے ہسپتالوں سے بھی چھٹی
دی جاتی ہے اور ایسے بہت سے نازک کام ہیں جہاں کوئی وقت آجاتا ہے کہ آدمی چھٹی لیتا ہے
تا کہ ذرا تازہ دم ہو جائے، آرام کرے اور اپنے گھر ضروری کام انجام دے آئے۔

چھٹی لینے کا انجام یعنی زبردست نقصان

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں صرف یہ خیال آیا کہ ہم تھوڑے
دن کے لئے چھٹی لے لیں، بس اس خیال کا آنا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ کیا یہ خطرناک
زہریلا خیال تمہارے دل میں آیا؟ کیا شیطانی وسوسہ تمہارے دل میں آیا؟ تم اللہ کے کام سے
چھٹی لینا چاہتے ہو۔ جانتے ہو کہ اس کا کیا انجام ہوگا؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کا نتیجہ جو تم کہہ
رہے ہو وہ نہیں ہے بلکہ تم جو کچھ سمجھ رہے ہو وہ تو ہو جائے گا۔ یعنی کھیتیاں سرسبز ہو جائیں گی اور
چھوٹی چھوٹی پونجی کی دوکانیں جس میں کمی نہ ہو، کسی میں پانچ سو کا سامان ہے، برائے نام معمولی
سا کاروبار اس میں تمہیں کامیابی ہو جائے گی۔

تمہاری دوکانیں جو بالکل بیٹھ گئی ہیں، جس میں خاک اڑنے لگی ہے، وہاں دو چار گاہک نظر
آنے لگیں گے۔ اس میں روزانہ دس بیس درہم کی آمدنی شروع ہو جائے۔ تمہارے باغ جو بالکل
سوکھ گئے ہیں ان کو پانی دو گے تو ہرے بھرے ہو جائیں گے لیکن اس کے دو نتیجے نکلیں گے۔ ایک
تعلق تمہاری ذات سے ہے اور دوسرے کا تعلق پوری کائنات سے ہے۔ جہاں تک تمہاری ذات
کے تعلق کا سوال ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا نام اللہ کے یہاں خدمت گزاروں کی فہرست سے
کٹ جائے گا اور تم بھی انہیں قوموں میں شمار کئے جانے لگو گے جن کی قسمت پر مہر لگا دی گئی ہے
اور جن کو جانوروں کی فہرست میں لکھ لیا گیا ہے کہ ان کا کام گائے، بیل، گھوڑے کی طرح کھانا
کمانا اور پیٹ بھرنا ہے اور اس کے بعد حشرات الارض کی طرح زندگی گزار کر دنیا سے چلے جانا

آج تمہارا نام رسول اللہ ﷺ کے سپاہیوں، ساتھیوں اور جانثاروں اور انسانیت کی خدمت
کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے۔ دنیا کے معماروں میں، نیز دنیا میں دوبارہ بہار لانے کی
کوشش کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے۔ تمہارے لئے حیات نو اور دنیا کی حیات بخشی مقدر ہے

تمہارے ہاتھوں پر یہ دنیا جو کہ محض ایک قمار خانہ محض ایک جانوروں کا اصطبل، محض انسانوں کا قبرستان بن کر رہ گئی ہے، جہاں ناؤ نوش ہر وقت پینے پلانے اور کھانے کمانے کے سوا کوئی آواز بھی نہیں آتی۔ اس دنیا کو دوبارہ زندہ کرنا مقدر ہے۔ اس فہرست سے تمہارا نام نکل جائے گا اور یہ دنیا جو اللہ سے بچھڑ گئی تھی، خدا کو بھول گئی تھی، پھر آج تمہارے ذریعہ سے خدا کی چوکھٹ پر سر جھکانے لگی ہے اور جن کے نام باغیوں میں لکھے ہوئے تھے ان کے نام اولیاء اللہ میں، عارفوں میں، عبادت گزاروں میں اور علماء ربانین میں، دنیا کے نجات دہندہ لوگوں کی فہرست میں لکھے جانے والے ہیں۔ یہ فیصلہ بدل جائے گا اور تم کاروبار میں لگنا چاہتے ہو تو پہلا نقصان تو اپنا کرو گے کہ اس قدسی اور نورانی فہرست سے کٹ کر محض اپنے لئے جینے مرنے والوں میں تمہارا نام لکھ دیا جائے گا۔

دوسرا نتیجہ جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو فلاح کا دروازہ کھولا ہے اور یہ جو دربار ہدایت کا دروازہ کھولا ہے۔ اور اس دنیا کے متعلق اب اللہ تعالیٰ کا تقدیر کا یہ جو فیصلہ ہے کہ یہ دنیا دوبارہ خدا کو پہچانے، دوبارہ خدا کے راستے پر چلے، دوبارہ خدائے واحد کی بندگی کرے، اور پھر اس دنیا میں آئے ہوئے انسان کو اپنا حقیقی مقام معلوم ہو..... اور انسان کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو، یہ دروازہ بند ہو جائے گا۔

بلندی ہمت اور نگاہ یہ سب کچھ دینی جدوجہد کا ثمرہ ہے

تم چوپائے درندے نہیں اور فرشتے بھی نہیں ہو بلکہ انسان ہو۔ تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ضروریات زندگی کو بقدر ضرورت مہیا کر کے اللہ تعالیٰ کے کام میں لگو، اللہ کے دین کو دنیا کے کونہ کونہ میں پھیلاؤ، اللہ کے پیغام کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچاؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو نقصان یہ ہوگا کہ پورا عالم انسانی اور یہ پوری کائنات اس فیض سے محروم رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو جو نعمت عطا فرمانا چاہتا ہے اس نعمت کو روک لے گا۔ لہٰذا اس فیض سے محرومی ہلاکت ہے۔ تمہارے حق میں بھی اور دوسروں کے حق میں بھی۔

تم تو دنیا میں کسی شمار و قطار میں نہیں تھے اور معلوم نہیں تم کتنی بیماریوں کے شکار ہو سکتے تھے۔ کتنے دشمنوں کے لقمہ اجل بن سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ہر موقع پر بچایا، اور اپنے نبی ﷺ کی محبت کے لئے منتخب فرمایا۔ اور تمہیں ایسی طاقتیں عطا فرمائیں جو دوسروں کو نہیں ملیں اور تم میں

ایک نیا حوصلہ عطا فرمایا، تمہارے دست و بازو کو نئی طاقت عطا فرمائی تمہاری ہمتوں کو بلند کیا، ان نگاہوں کو روشن کیا، یہ سب اس اسلام کے طفیل تھا۔

شان نزول کی مختصر تفصیل

اب اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھاتے ہو تو اپنا بھی نقصان کرو گے، اپنے حق میں خود کشی اور دنیا کے حق میں بہت بڑی ہلاکت اور خسارہ کا سامان کرو گے، دنیا ایک رخ پر جاتے جاتے فوراً دوسرے رخ پر پڑ جائے گی۔ ابھی اس کا رخ ضلالت سے ہدایت کی طرف، شقاوت سے سعادت کی طرف، ظلمت سے نور کی طرف جہالت سے علم کی طرف پڑا ہے اور پڑا بھی کہاں ہے؟ پڑنے کی امید پیدا ہوئی ہے لیکن اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھا کر اپنے پیٹ کی سیوا میں اپنے اپنے بچوں کی پرورش میں اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگ جاؤ گے، اور گویا تم اللہ کی عبادت سے ہٹ کر اپنے نفس کی عبادت میں لگ جاؤ گے تو پھر دنیا پر خیر کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ یہ ہے تفصیل ان حالات کی جن میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی۔

اس آیت کے معنی وسیع اور اس کے نتائج دور رس ہیں۔ یہ آیت کسی ایک انسان کی ایک انفرادی خود کشی کے بارے میں نہیں اتری ہے، کسی ایک فرد کے ہلاکت میں پڑنے کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک بہت بڑے اہم موقعہ پر نازل ہوئی تھی، جس کا تعلق پوری نوع انسانی اور اس کے مستقبل سے ہے یعنی وہ لوگ جو دنیا میں ہدایت کا کام کر سکتے ہیں، نئی منزل کی طرف توجہ ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے جن کے ذریعہ انسان اپنی موجودہ زندگی پر پشیمان ہو کر سوچتا ہے کہ ہائے! میں کیا زندگی گزار رہا ہوں۔ یہ تو جانوروں کی، چڑیوں کی اور چوپایوں کی زندگی ہے۔ کھانا پینا اور بستر پر دراز ہو کر سو رہنا اور اٹھ کر بیل، گھوڑے کی طرح اس کام میں جت جانا یہ کوئی انسانی زندگی ہے؟ جو جماعت انسانوں کو چونکائے، اس کی دعوت سے اس کے عمل اور کردار کی تاثیر سے اور اس کی تبلیغ کی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں کے دماغوں پر چوٹ پڑے لوگوں کے دماغوں پر ضرب لگے، اس کے لئے یہ زندگی گزارنا نہیں ہے۔ اگر اس عمل سے فرار اختیار کرلے تو دنیا والوں کو کون سنبھالا دے سکتا ہے؟ کون ہوگا جو دنیا والوں کو بلند حقیقت کی طرف متوجہ کرے گا اور ان سے کہے گا کہ اے انسانو! یہ کیا زندگی ہے؟ عمدہ سے عمدہ پہننا اور آراستہ ہو کر نکلنا زندگی ہے تو مردوں کی زندگی ہے، اگر خوش آوازی اور خوش آہنگی زندگی کا

حاصل ہے تو بلبل میں تم سے زیادہ زندگی ہے، اگر دوسروں کا پیٹ کاٹ کر، دوسروں کا خون پی کر زندگی گزارنا آدمیت اور مقصد زندگی ہے تو یہ تو شیروں کی زندگی ہے اور تیندوے تم سے زیادہ زندگی اور آدمیت کے راز سے واقف ہیں۔

میرے دوستو! اگر ایک شخص ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان جنگ میں کودتا ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زندہ سلامت بچ کر آجاتا ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ سے بڑھ کر کس نے اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالا ہوگا۔ خالد سیف اللہؓ سے بڑھ کر کون موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑا ہوگا اور ہمیشہ موت کو ہنسی کھیل سمجھا ہوگا، بتایئے۔ اسلام کی تاریخ میں جانبازی کی تاریخ میں سرفروشی کی تاریخ میں، خالدؓ سے بڑھ کر جانباز اور سرفروش کوئی گزرا ہے؟ لیکن وہی خالدؓ کہ جب انتقال ہونے لگا اور بستر پر طبعی موت آنے لگی تو کہنے لگے میری زندگی میں کوئی ایسا موقعہ نہیں آیا کہ جہاں موت کا امکان ہوا اور میں نے وہاں اپنے آپ کو پیش نہیں کیا ہو لیکن خدا کی شان کہ آج میں بستر پر مر رہا ہوں۔

مجھ سے بڑھ کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالنے والا اور شہادت کی تلاش میں نکلنے والا اور کون ہوگا؟ لیکن خدا آج دکھا رہا ہے کہ میں بیماری کے بستر پر مر رہا ہوں۔ اور جو لوگ موت سے بھاگتے تھے، کتنے دنیا سے رخصت ہو گئے؟ اور وہ اپنے تمام اندازوں کے خلاف اور تمام تیاریوں کے برخلاف موت کا نشانہ بن گئے۔

دوستو! خودکشی یہ نہیں ہے کہ آدمی کسی وقت اپنی جان پر کھیل کر کسی وقت اپنے کاروبار کو خطرے میں ڈالدے، کسی دور اندیشوں اور ہوشیار لوگوں کے مشوروں کی خلاف ورزی کرے جبکہ لوگ اس کو اس طرح کے مشورہ دیں کہ بھائی یہ کاروبار بند کرنے کا وقت نہیں ہے، یہ وقت دوکان چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے، یہ وقت گھربار چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے تو وہ ان لوگوں کے مشورہ کے خلاف چل پڑے۔ جو لوگ کسی وقت آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں، یا دیکھی ان دیکھی کر دیتے ہیں وہ خودکشی نہیں کرتے ہیں۔ خودکشی وہ کرتا ہے جو اپنا مقصد زندگی فراموش کر کے اپنے دل کی پرستش میں لگ جاتا ہے۔ ایک مسلمان فرد، اور ایک مسلمان جماعت کے لئے خودکشی یہ ہے کہ اپنا حقیقی مقصد بھول کر اور جو کام اللہ نے اس کے سپرد کیا ہے اس کو فراموش کر دے، اور یہ بھول جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں ایک اہم فرض

کی ادائیگی کے لئے مبعوث کیا ہے۔

تم اس کام کے لئے محض اسی مقصد کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو لہٰذا اگر تم اس کام کو بالائے طاق رکھ دو اور اپنے کاروبار میں سر سے پاؤں تک ڈوب جاؤ، اور خالص کاروباری انسان بن جاؤ۔ بزنس مین بن جاؤ اور تمہاری سب سے بڑی تعریف یہ ہو کہ تمہارے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ فلاں تو بڑا کاروباری ہے۔ کوئی مسلمان فرد کوئی مسلمان گروہ اگر خالص کاروباری حیثیت اختیار کر لے کہ میں کاروباری ہوں، میرا کاروبار مقدم ہے، پیٹ مقدم ہے، دنیا کے تقاضے مقدم ہیں، گھر والوں کے مطالبے مقدم ہیں، گھر والوں کی ضرورتیں مقدم ہیں اسی کو قرآن مجید ''خودکشی'' کہتا ہے۔ قرآن اس کو ''خودکشی'' نہیں کہتا جس میں موت موسوم ہے۔ اس کو خودکشی کہتا ہے جس میں حقیقی موت ہو، یقینی خودکشی وہ نہیں جس میں موت کا امکان ہے۔ خودکشی وہ ہے جس میں موت یقین ہے۔ خودکشی وہ نہیں ہے جس میں وہ عارضی جسم ہلاک ہو جائے، بیمار ہو جائے، تکلیف اٹھائے جس کو ایک دن مرنا ہے جس کی حیات عارضی ہے۔ خودکشی وہ ہے جس میں اس روح کو تکلیف ہو جائے جس کو موت نہیں۔ خودکشی وہ ہے جس میں وہ مقصد فوت ہو جائے جو سرمایہ تھا، جو اثاثہ تھا جو پونجی لے کر نکلے تھے وہ ڈوب جائے۔ یہ ہے کاروباری ذہنیت کے خلاف اور پونجی سلامت رہے اور آج کا نفع نہ ملے یہ کاروباری ذہنیت کے خلاف نہیں، حقیقی کاروبار وہ ہے جو اپنی پونجی سلامت رکھ کر نئے نئے تجربے کرے۔ خودکشی یہ ہے کہ آدمی دعوت کا کام نہ کرے آدمی اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے نہ نکلے۔ اور دین کے لئے ہجرت نہ کرے۔ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اس کے بعد بہت سے لوگ بلکہ بہت سے صحابی بیٹھے رہ گئے، کمزور تھے، اور بہت سے کمزور نہیں تھے مگر انہوں نے وقت کی نزاکت کو محسوس نہیں کیا اور ہجرت نہیں کی، اور بہت سے وہ تھے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یا بعد میں مدینہ منورہ کی ہجرت کی۔ انہوں نے کیا فتوحات حاصل کیں اور کیا مراتب حاصل کئے وہ ان سے کہیں زیادہ تھیں، جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا، اور اللہ کی راہ میں جان کی بازیاں لگائیں اور جنہوں نے بعد میں جان کی بازی لگائی، برابر نہیں ہو سکتے''۔

زکوٰۃ کا بیان

مولانا محمد یوسف اصلاحی

زکوٰۃ سے غفلت کا ہولناک انجام

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے قرآن حکیم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو انتہائی درد ناک سزاؤں اور لرزہ خیز عذابوں کی خبر دے کر متنبہ کیا ہے کہ وہ فنا ہونے والے مال و متاع کی بے جا محبت میں گرفتار ہو کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں، اور اس عذاب سے بچیں جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے، تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو ایک دن آئے گا کہ اسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی۔ اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ اس آیت میں ''کنز'' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا ''کنز'' سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی گئی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو متنبہ کرنے کے لئے آخرت کے لرزہ خیز عذاب کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

''جس آدمی کو خدا نے مال و دولت سے نوازا، پھر اس شخص نے اس مال کی زکوٰۃ نہیں دی، تو اس مال کو قیامت کے روز انتہائی زہریلے ناگ کی شکل دے دی جائے گی۔ زہر کی شدت کے باعث اس کا سر گنجا ہوگا اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہونگے۔ قیامت کے روز وہ ناگ اس (زبردست بخیل) کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کے دونوں جبڑوں میں اپنے زہریلے دانت گاڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں اور پھر آپؐ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: "جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ بخل سے کام لیتے ہیں، اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخل اور زر پرستی ان کے حق میں بہتر ہے، یہ روش ان کے لئے نہایت ہی بری ہے وہ اپنی کنجوسی سے جو کچھ جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے میں طوق بنا کر پہنایا جائے گا"۔

نیز آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے زکوٰۃ سے غفلت کے عبرتناک انجام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

"تم میں سے کوئی شخص قیامت کے روز اس حال میں میرے پاس نہ آئے کہ اس کی بکری اس کی گردن پر لدی ہوئی ہو، اور مجھے حمایت کے لئے پکارے اور میں اس سے کہوں کہ میں آج تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا، میں نے تم کو خدا کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور دیکھو اس روز کوئی اونٹ اپنی گردن پر لادے ہوئے میرے پاس نہ آئے، وہ مجھے مدد کے لئے پکارے اور میں کہوں کہ میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا، میں نے تو خدا کے احکام تم کو پہنچا دیئے تھے"۔

ایک بار نبی کریم ﷺ نے دو خواتین کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا "تم ان کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہو یا نہیں"۔

خواتین نے کہا نہیں!

آپؐ نے فرمایا: "تو کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں"۔

خواتین نے کہا "ہرگز نہیں"۔

تو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ "ان کی زکوٰۃ دیا کرو"۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

"لوگو! حرص اور لالچ سے دور رہو، تم سے پہلے جو لوگ تباہ و برباد ہوئے اسی حرص اور لالچ کی بدولت ہوئے حرص نے ان میں بخل اور تنگ دلی پیدا کی، اور وہ بخیل اور زر پرست ہو گئے اور اس نے ان کو قطع رحم پر ابھارا اور انہوں نے قطع رحم کا جرم کیا اور اسی نے ان کو بدکاریوں پر آمادہ کیا اور وہ بدکاری پر اتر آئے"۔

قرآن وسنت کی ان تنبیہات ہی کا اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ زکوٰۃ وصدقات کا انتہائی اہتمام فرماتے، اور بعض کے احساسات تو اس معاملے میں اتنے شدید تھے کہ وہ ضرورت سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ کی تو یہ مستقل عادت ہوگئی تھی کہ جہاں کچھ لوگوں کو جمع دیکھتے، ان کو زکوٰۃ کی طرف ضرور متوجہ کرتے۔

زکوٰۃ کی تاکید وترغیب

زکوٰۃ کی غیر معمولی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر قرآن پاک میں بیاسی مقامات پر اس کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا حکم ساتھ ساتھ دیا گیا ہے۔

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو''۔

نیز قرآن وسنت میں اس کے زبردست دینی اور دنیاوی فوائد بتا کر طرح طرح سے ترغیب دی گئی ہے، قرآن میں زکوٰۃ کا عظیم اجر وثواب ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

''جو لوگ اپنے اموال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے، کہ جیسے ایک دانہ بویا جائے۔ اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے وہ فراخ دست اور علیم ہے''۔

کسان اپنی جھولی کے دانے خدا کی زمین کے حوالے کر کے اس سے آس لگاتا ہے اور باران رحمت کے لئے دعائیں کرتا ہے تو پروردگار اس کو ایک ایک دانے کے بدلے سینکڑوں دانے عطا فرما کر اس کا کھلیان بھر دیتا ہے، اس ایمان افروز تجربہ کو تمثیل بنا کر خدا یہ ذہن نشین کراتا ہے کہ بندہ خدا کی خوشنودی کے لئے خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرے گا۔ خدا اس کو اتنا بڑھائے گا کہ ایک ایک دانے کے عوض سات سو دانے عنایت فرمائے گا، بلکہ وہ تو بڑا ہی فراخ دست اور علیم ہے اس کی نگاہ قدر شناس بندے کے گہرے خلوص اور جذبے پر رہتی ہے اور وہ اتنا کچھ عطا فرماتا ہے، جس کا بندہ صحیح تصور بھی نہیں کر سکتا، پھر یہ انعام واکرام آخرت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی خدا ایسی سوسائٹی کو خیر وبرکت، خوش حالی اور ترقی سے مالا مال کر دیتا ہے۔

''اور جو زکوٰۃ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتے ہو اسی کے دینے والے

درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں''۔

دراصل زکوٰۃ صدقہ وہی لوگ ادا کرتے ہیں جو عالی ظرف، فراخ حوصلہ، فیاض، ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں اور زکوٰۃ وصدقہ ہی ان صفات کو بڑھانے اور پروان چڑھانے کا بھی ذریعہ ہے، دنیا میں خیر و برکت، سکون واطمینان، خوشحالی اور ترقی اسی معاشرے کا حصہ ہے جس کے افراد میں یہ اخلاقی اوصاف عام ہوں، دولت چند خود غرض، سنگ دل بخیلوں میں ٹھٹھری ہوئی نہ ہو بلکہ پورے معاشرے میں اس کی مناسب تقسیم ہو اور سب کو اپنی ہمت کے مطابق کمانے اور خرچ کرنے کی آزادی اور مواقع یکساں طور پر حاصل ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص پاک کمائی میں سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے، اللہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر بڑھاتا ہے جس طرح تم اپنے بچے کی پرورش کرتے ہو یہاں تک کہ وہ ایک پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے''۔

اور آپؓ ہی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے اور جو شخص محض اللہ کے لئے خاکساری اور فروتنی اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اونچا اٹھا دیتا ہے''۔

قرآن کی صراحت ہے کہ قلوب کو پاک کرنے، نیکیوں کی راہ پر بڑھنے، حکمت کی دولت سے مالا مال ہونے، خدا کی خوشنودی، مغفرت اور رحمت حاصل کرنے، آخرت میں ابدی سکون اور خدا کا قرب پانے والے وہی لوگ ہیں جو خوش دلی اور پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کیجئے اور نیکی کی راہ میں انہیں آگے بڑھایئے''۔

''شیطان تمہیں فقر اور ناداری سے ڈراتا ہے شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی مغفرت اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ بڑا ہی فراخ دست اور علم والا ہے، جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی درحقیقت اس کو بہت بڑی دولت مل گئی''۔

''اور وہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اسے خدا کا تقرب حاصل کرنے کا اور رسول کی

طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں، سن رکھو! یہ ضرور ان کے لئے خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے اور خدا ان کو ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے''۔

''اور جہنم کی آگ سے وہ شخص دور رکھا جائے گا جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے جو دوسروں کو محض اس لئے اپنا مال دیتا ہے کہ (اس کا دل بخل و حرص اور حب دنیا سے) پاک ہو جائے''۔

حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

''لوگو! جہنم کی آگ سے بچو اگر چہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی''۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے روز جب عرش الٰہی کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا، سات قسم کے لوگ عرش الٰہی کے زیر سایہ ہونگے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو اس قدر راز داری کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ داہنا ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی شخص صدقہ کا مال لے کر حاضر ہوتا تو آپ انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے اور لانے والے کے لئے رحمت کی دعا مانگتے۔ چنانچہ حضرت ادنیٰؓ اپنا صدقہ لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی:

اللھم صل علیٰ اٰل ابی ادنیٰ

''یعنی اے اللہ! ابی ادنیٰ کے خاندان پر اپنی رحمت نازل فرما''۔

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے ہی گھر میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر نکلے۔ صحابہؓ نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:۔

''سونے کی ایک ڈلی گھر میں رہ گئی تھی، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ رات آجائے اور وہ گھر ہی میں رہے اس لئے میں اس کو مستحقین میں تقسیم کر آیا''۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صدقہ اور خیرات کرنے سے خدا کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے اور بری موت سے آدمی محفوظ

رہتا ہے"۔

اور ظاہر ہے خدا کے غضب سے حفاظت اور خاتمہ بالخیر کے سوا مومن کا منتہائے آ
ہوسکتا ہے۔

زکوٰۃ کا حکم

ہر صاحب نصاب خوش حال مسلمان پر قطعی فرض ہے کہ اگر اس کے پاس بقدر نصاب
سال بھر تک موجود رہے تو سال پورا ہونے پر وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ زکوٰۃ فرض قطعی
شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص فرض ہونے کا انکار تو نہ کرے لیکن
کرے تو وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں بنیادی فرق

زکوٰۃ اس طرح کا کوئی ٹیکس نہیں ہے جو حکومتیں اپنی پبلک پر مقرر کرتی ہیں بلکہ یہ ایک
عبادت اور رکن اسلام ہے، جس طرح نماز، روزہ اور حج اسلام کے رکن ہیں، قرآن نے نماز
ساتھ ساتھ بالعموم زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے، اور اسے اس خدائی دین کا اہم رکن قرار دیا ہے جو ہر ز
میں انبیاء کرام کا دین رہا ہے۔

زکوٰۃ کے نظام سے نفس انسانی اور اسلامی سوسائٹی کو جو عظیم اخلاقی اور روحانی فوائد
ہوتے ہیں وہ اسی صورت میں ممکن ہیں جب عبادت اور ٹیکس کے بنیادی فرق کو ذہن میں
جائے، اور زکوٰۃ کو خدا کی عبادت سمجھ کر ادا کیا جائے۔

بے شک زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا نظم شریعت نے اسلامی حکومت کے سپرد کیا ہے، اور یہ نظم
فرائض میں سے ہے لیکن اس لئے نہیں کہ یہ کوئی ٹیکس ہے بلکہ اسلام کے تمام اجتماعی عبادات
نظم پیدا کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

اسلامی نظام عدل کی چند امتیازی خصوصیات

مولانا سید محمد متین ہاشمی

اسلامی نظام عدل کو جو چیز دیگر نظامہائے عدل سے ممتاز کرنے والی ہے وہ یہ ہے کہ:

1- معاشرہ پر غلبہ

دیگر نظامہائے عدل (وضعی قوانین) کو سوسائٹی کے افراد اپنے احوال وظروف اور اپنی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر تیار کرتے ہیں۔ جبکہ اسلام کا نظام عدل خود معاشرے کو اپنے خطوط اور اپنی اساسیات کے مطابق ڈھالتا ہے بصورت اول سوسائٹی آگے آگے ہوتی ہے اور قانون اس کے پیچھے پیچھے جبکہ اسلامی نظام عدل آگے ہوتا ہے اور معاشرے کو اس کے پیچھے چلنا پڑتا ہے۔

2- صفت دوام

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی نظام عدل وحی الٰہی پر مبنی ہے۔ یعنی اس کا صانع اور نازل کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جبکہ وضعی قوانین انسانی ذہن کے زائیدہ ہیں اور چونکہ انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے اس لئے انسان کے وضع کردہ قوانین میں فطری طور پر وہ ضعف، عجز، کم فہمی، نتائج سے عدم واقفیت مستقبل سے بے خبری پائی جاتی ہے جو اس کی سرشت میں داخل ہے، یہی وجہ ہے کہ قانون بنتے ہی اس میں ترامیم شروع ہو جاتی ہیں اگر اس اعتبار سے دیکھیں تو وضعی قوانین ہمیشہ ناقص اور قابل اصلاح رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف اسلامی قوانین چونکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں ایک ایسے رب کے جو علیم وخبیر ہے جس کے سامنے ازل اور ابد سب کھلے ہوئے ہیں، جو مستقبل کے تمام انقلابات سے آگاہ ہے اور جس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ اس میں نقص کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور وہ اساسی طور پر ہر تغیر اور تبدیلی سے بے نیاز ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ اسلامی نظام عدل اپنے اندر صفت دوام رکھتا ہے۔

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

(الف) قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ (فاطر:۱۸)

ترجمہ: "کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔

یعنی جو شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے سزا اسی کو ملے گی یہ نہیں ہو سکتا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

(ب) یا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا (البقرہ: ۲۸۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کسی بھی نفس پر اتنی ہی کلفت ڈالتا ہے جتنی کہ وہ برداشت کر سکے''۔

اس آیت سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ شرعی احکام میں ایسے احکام نہیں ہیں جو انسان کے بس سے باہر ہوں۔

(ج) یا ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہیں انصاف اور احسان اور رشتہ داروں کی مدد کرنے کا حکم دیتا ہے اور فحش باتوں، ناجائز کاموں اور سرکشی اختیار کرنے سے منع کرتا ہے''۔

(د) یا فرمایا:

ترجمہ: ''اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو سپرد کرنا اور جب تمہیں لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنا پڑے تو انصاف سے فیصلہ کرنا''۔

(ہ) ایک مقام پر حکم فرمایا:

ترجمہ: ''اے ایماندار بندو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ سے ڈرتے ہوئے گواہی دو اگرچہ گواہی خود تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہو یا تمہارے والدین یا عزیز و اقارب کے خلاف ہو''۔

(و) سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے میں مستعد ہو اور ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی عداوت تم سے گواہی دینے میں بے انصافی کرائے انصاف کرو کہ انصاف ہی پرہیزگاری تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے اور اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

ان آیات کو نازل ہوئے آج چودہ سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا مسلمان تو مسلمان غیر مسلم مفکرین و مقننین کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ یہ ثابت کر دیں کہ اتنا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود قانون سازی کی ان اساسیات میں معمولی سا نقص معمولی سی کہنگی اور خفیف سی بھی پیدا ہوئی

ہے؟ ہرگز نہیں۔ قانون سازی کی یہ بنیادیں انقلاب ایام سے قطعاً بے نیاز ہیں۔

3- مساوات

اسلامی نظام عدل کی اہم ترین امتیازی خصوصیت اس کا عطا کردہ تصور مساوات ہے۔ یعنی قانون اسلامی کے آگے امیر، غریب، بادشاہ، فقیر، محکوم، حکمران برابر ہیں۔ حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے یا اپنے اہل خاندان کے لئے بھی کسی قسم کا استثناء گوارا نہ فرمایا اور غزوہ بدر کے موقع پر جب آپ کی چھڑی حضرت سوادؓ کے پیٹ میں لگ گئی اور انہوں نے قصاص کا مطالبہ کیا تو سید الکونین امام المرسلین بدر کے سپہ سالار ﷺ اپنے بطن مبارک سے کپڑا ہٹا کر کھڑے ہوگئے۔ چھڑی سویدؓ کے ہاتھ میں تھمادی اور انہیں بطیّب خاطر اجازت دی کہ وہ بدلہ لے لیں۔ اسلام کے نظام عدل میں جب شارع اسلام اپنی ذات گرامی کو انتقام کے لئے پیش کر سکتے ہیں تو پھر کون ایسا ہے جو خود کو قانون سے بالاتر سمجھے؟

آج تو دنیا بہت ترقی کر چکی ہے قانون وشروح قانون کی لاکھوں کروڑوں کتابیں تیار ہو چکی ہیں لیکن مغربی نظام عدل کی رو سے بادشاہ کو ایک عام شہری عدالت میں طلب نہیں کر سکتا اور عام عدالتیں وزیر اعظم پر مقدمہ نہیں چلا سکتیں۔ اس لئے کہ ''بادشاہ سے تو غلطی کا صدور ہی ممکن نہیں'' مگر قرآن کریم چودہ سو برس سے اعلان کر رہا ہے۔

ترجمہ: ''اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے درمیان شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تو وہی زیادہ عزت والا ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے''۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب مخزومیہ عورت نے چوری کی اور قریش نے محسوس کیا کہ اگر اس کا ہاتھ چوری کے مقدمے میں کاٹ دیا جائے گا تو قبیلہ قریش کی بے عزتی ہوگی تو انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو حضور ﷺ کی خدمت میں سفارش کرنے کے لئے بھیجا تو جواب ملا۔

ترجمہ: ''کیا تم اللہ کی حدود کے بارے میں مجھ سے سفارش کر رہے ہو؟ پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا لوگو! تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے گمراہ ہو گئیں کہ ان کا کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور شخص اس جرم کا ارتکاب کرتا تو اس پر حد یں جاری کرتے اور خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو محمد ضرور

بالضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتے"۔

کیا مساوات کی نظیر تاریخ عالم میں مل سکتی ہے؟

4۔ خوف خدا اور تصور آخرت

اسلامی نظام عدل کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاشرے کی تربیت خوف خدا اور تصور آخرت کی بنیاد پر کرتا ہے۔ کیونکہ اگر انسان پر بظاہر بہت سی پابندیاں عائد کردی جائیں اور اس کے باطن کو نہ بدلا جائے تو عقل حیلہ ساز بیشمار راستے نکال لیتی ہے اسلام درحقیقت اپنے معاشرے کو اندر سے بدلتا ہے۔ تاکہ قانون شکنی اور سرکشی کا موقع ہی نہ آئے۔ اس اندرونی تبدیلی کے لئے اسلام سب سے زیادہ خوف خدا اور تصور آخرت پر زور دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کی ابتدا کرتے ہی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

ذٰلك الكتاب لاريب فيه هدًى للمتقين

ترجمہ: "اس کتاب میں کسی کو شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے یہ کتاب ہدایت ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں"۔

پھر کہا گیا:

ترجمہ: "کہ جس نے بھی ایک ذرے برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کے ثمرات قیامت کے دن دیکھ لے گا اور جس نے بھی ایک ذرے برابر برائی کی ہوگی وہ اس کے نتائج قیامت کے دن بھگت لے گا"۔

قیامت کا دن کیسا ہوگا:

ترجمہ: "جس روز انسان بھاگنے لگیں گے اپنے بھائی سے اور اپنی ماں باپ، بیوی اور بیٹے سے اس وقت ان میں سے ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی اور وہ دوسروں سے بے توجہ ہونگے"۔

پھر ارشاد ہوا:

ترجمہ: "جس روز سب راز فاش ہو جائیں گے تو اس وقت انسان کو نہ خود قوت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا"۔

قرآن کریم میں یہ اور اس طرح کی سینکڑوں آیات اور ان کے علاوہ احادیث در حقیقت

[...] کے باطن کو بدلنے والی اور اسے خوف خدا اور تصور آخرت سے وابستہ رکھنے والی ہیں۔ اسی [...] اور تعلیم کا نتیجہ تھا کہ جب ایک ماں اپنی بچی سے دودھ میں پانی ملانے کو کہہ رہی تھی تو بچی [...] جواب دیا کہ حضرت عمرؓ نے منع فرمایا ہے اور جب ماں نے یہ کہا کہ کیا عمرؓ دودھ میں پانی ملاتے [...] دیکھ رہے ہیں؟ تو بچی جھٹ بول اٹھی ماں! عمرؓ تو نہیں عمرؓ کا خدا دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح کے [...] واقعات حضرت ماعزؓ اسلمی اور غامدیہؓ کے ہیں اگر ماعزؓ اسلمی اور غامدیہ دربار نبوت میں حاضر ہو کر [...] بار اعتراف زنا نہ کرتے تو کون انہیں سزا دیتا؟ واقعات زنا کا کوئی گواہ بھی نہیں تھا۔ مگر چونکہ [...] باطن بدل چکا تھا اور ان حضرت نے محسوس کیا کہ ہم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے جسے اگرچہ ہم خلق کی [...] نگاہوں سے چھپا سکتے ہیں تاہم خالق کی نگاہوں سے نہیں چھپا سکتے اس لئے دربار رسالت میں [...] حاضر ہو کر پکار اٹھے **طہرنی یارسول اللہ** اے خدا کے رسولؐ ہمیں پاک کر دیجئے۔ ماعزؓ [...] اور غامدیہؓ جانتے تھے کہ ہمیں سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے گا جان کس کو پیاری نہیں ہوتی لیکن [...] آخرت کا تصور اور رب کے حضور جوابدہی کا خوف تھا جو کشاں کشاں انہیں مقتل میں لے آیا۔

[...] یہی ہے وہ بنیاد جس پر اسلامی نظام عدل معاشرے کی تنظیم و تربیت کرتا ہے۔ کیا دنیا کا ترقی یافتہ [...] سے ترقی یافتہ نظام عدل اس طرح کی ایک مثال بھی پیش کر سکتا ہے۔ اس مقام پر اگر آپ مجھے [...] ایک طبی اصطلاح استعمال کرنے کی اجازت دیں تو میں عرض کروں گا کہ اسلامی نظام عدل کی دیگر [...] بنیادوں میں سے ایک بنیاد (Prevention is Better than Cure) ہے کہ [...] ماحول ایسا بنا دیا جائے، احوال اس طرح تبدیل کر دیئے جائیں، طبائع میں اس نوع کا انقلاب [...] برپا کر دیا جائے کہ انسان خود بخود جرائم کے ارتکاب سے پرہیز کرے۔

5- عبرت ناک سزائیں

اسلامی نظام عدل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جرم ثابت ہونے پر وہ مجرم کے ساتھ کسی رو [...] رعایت کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ موجودہ دور کی طرح اگر مجرم کے ساتھ رو رعایت کی جائے تو [...] نظام تمدن میں خلل پڑ جائے گا اور کسی شریف آدمی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں رہے [...] گی۔ لہٰذا اسلام کے نظام عقوبات میں سزائیں عبرت ناک رکھی گئی ہیں۔ نظام عقوبات کے فلسفے پر [...] بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی مشہور عالم تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے

ہیں۔

"بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہے یہ وہی معاصی ہیں جن کے
ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا، نظام تمدن میں خلل پیدا ہوتا اور مسلمان معاشرے کی طمانیت اور
سکون قلب رخصت ہو جاتا ہے دوسری بات یہ کہ وہ معاصی کچھ اس قسم کی ہوتی ہے کہ دو چار بار
ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے اور اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح
کی معاصی میں محض آخرت کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ ان کی
عبرت ناک سزا مقرر کی جائے کہ اس کا مرتکب معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور
ساری زندگی سوسائٹی کے دیگر افراد کے لئے سامان عبرت بنا رہے اور اس کے انجام کو دیکھ کر بہت
کم لوگ اس قسم کے جرم کے ارتکاب کی جرات کریں"۔

اصل میں اسلام نے جو نظام اصلاح قائم کیا ہے اس کی ابتداء ہی فرد کی اصلاح سے ہوتی
ہے۔ کیونکہ جب تک کسی معاشرے کے افراد صالح نہ ہوں ان کا مجموعہ یعنی معاشرہ صالح
نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا از روئے اسلام جو فرد اس قدر فاسد ہو چکا ہے کہ آزادانہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ
حدود کو توڑ رہا ہے وہ ایک فرد سارے معاشرے کو تباہ کرسکتا ہے اور اس کی مثال اس دانت کی سی
ہے جس میں پائیوریا کے جراثیم داخل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بھی دانتوں کے امراض کا ماہر ہوگا
وہ فوراً اس جراثیم زدہ دانت کو دانتوں کے اجتماع سے الگ کر دینے کا حکم دے گا۔

حدود کے نفاذ میں شریعت نے جو دوسری مصلحت مدنظر رکھی ہے وہ ہے اس کا عبرت ناک
ہونا۔ اسی لئے قرآن کریم میں جس مقام پر حد زنا کا ذکر ہے وہاں یہ بھی حکم ہے کہ:

ولیشهد عذابهما طائفة من المومنین

ترجمہ: "اور چاہیے کہ ان کی سزا کا مسلمانوں کی جماعت مشاہدہ بھی کرے"۔

یہی مصلحت چوری کی حد میں "ہاتھ کاٹنے" کی بھی ہے کیونکہ ایک دست بریدہ شخص جب
وقت مسلم معاشرے میں پھرتا رہے گا تو اس کے حشر کو دیکھ کر لاکھوں انسان چوری کرنے کے خیال
سے باز رہیں گے۔ (جاری ہے)

اسلامی تصوف کا ماخذ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

نفس مضمون کی اہمیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں اس مبحث کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھتا مگر بخوف طوالت اختصار کو مدنظر رکھا ہے:

(۱) تصوف کی اصل بلکہ اصل الاصول، لقاء رب کی آرزو ہے۔ سالک یہ تمام مجاہدات، ریاضات، مراقبات اسی لئے برداشت کرتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کا دیدار کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مقصد حیات ''دیدار یار'' ہے۔ یہ اصل اس آیت سے ماخوذ ہے:

ترجمہ: ''پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو اسے لازم ہے کہ اعمال صالحہ بجالائے اور اپنے رب کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ کرے''۔

(۲) تصوف کے عناصر ترکیبی تین ہیں: کامل توحید، کامل تقویٰ، اور کامل محبت اور یہ تینوں عناصر قرآن سے مقتبس ہیں:

(الف) کامل توحید: سارا قرآن توحید کی تعلیم سے معمور ہے بلکہ میری رائے میں قرآن کے نزول کی علت غائی ہی تلقین توحید ہے، کیوں کہ قبل بعثت نبویؐ خالص اور کامل توحید، دنیا سے مٹ چکی تھی۔ تمام اقوام عالم، انسان پرستی، یعنی شرک میں مبتلا تھیں۔ تبرکاً صرف ایک آیت درج کرتا ہوں:

ترجمہ: ''بس، وہی ہر شے کا اول ہے اور ہر شے کا آخر ہے اور ہر شے کا ظاہر ہے اور ہر شے کا باطن ہے (یعنی وہی وہ ہے) اور وہ ہر شے کی ماہیت سے آگاہ ہے''۔

(ب) درس توحید کے بعد سارا قرآن تاکید تقویٰ سے بھرا پڑا ہے۔ بلکہ یہ قرآن صرف متقی افراد ہی کے لئے ہدایت ہے، غیر متقی اس سے ہدایت یاب نہیں ہوسکتا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ متقی کو اللہ کی معیت نصیب ہوجاتی ہے۔ صرف ایک آیت لکھتا ہوں:

ترجمہ: ''بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور محسن (بھی) ہیں''۔

(ج) تصوف کا دار و مدار عشق یا محبت الٰہی پر ہے یعنی محبت ہی حصول مقصود کا واحد ذریعہ ہے یا حریم ناز تک پہنچنے کے لئے بمنزلہ نردبان ہے۔

صرف دو آیتیں لکھتا ہوں:

ترجمہ: ''اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں''۔

اس اجمال کی تفصیل اس آیت میں فرمادی، تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے:

ترجمہ: ''(اے رسول ﷺ) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور وہ اموال جو تم نے (بڑی محنت سے) کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم بہت ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم بہت عزیز رکھتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں.... اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری یا زیادہ محبوب ہو تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔

تصوف کے عناصر ترکیبی میں ربط باہمی

تصوف کے عناصر ترکیبی میں ربط باہمی کی تفصیل یہ ہے کہ:

(الف) محبت کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لئے تصوف جب انسان کو محبت کی تلقین کرتا ہے تو گویا اس کے فطری تقاضے کی تکمیل کا سامان مہیا کرتا ہے۔

(ب) چونکہ انسان اپنی کوتاہ بینی یا نادانی کی وجہ سے کسی نااہل ہستی کو بھی محبوب بنا سکتا ہے، اس لئے تصوف نے اسے آگاہ کیا کہ محبوب اسے بناؤ جو جمیل بھی ہو، غیر فانی بھی ہو اور تمہاری محبت کا جواب بھی دے سکے اور ایسی ہستی صرف اللہ ہے۔

چونکہ کامل ترین ہستی صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اس لئے تصوف توحید کی تعلیم دیتا ہے یعنی **لا اله الا الله۔**

(ج) تقویٰ کا مطلب ہے یہ دیکھتے رہنا کہ ایسی کوئی بات سرزد نہ ہو جائے جس سے محبوب حقیقی ناراض ہو جائے۔ لغوی اعتبار سے تقویٰ کا مفہوم محبوب کی نافرمانی سے بچنا ہے، کیونکہ نافرمانی سے محبوب ضرور ناراض ہو جائے گا۔

الغرض سالک کی زندگی انہی تین اجزا سے مرکب ہوتی ہے۔ وہ محبوب حقیقی سے جو واحد لاشریک ہے محبت کرتا ہے اور ہر وقت یہ دیکھتا رہتا ہے (اسی کو مراقبہ اور محاسبہ کہتے ہیں) کہ کوئی قول یا فعل محبوب کی مرضی کے خلاف سرزد نہ ہو۔

(۳) تصوف قرب الٰہی کی تلقین کرتا ہے یا صوفی، قرب الٰہی کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس کی یہ خواہش اس آیت پر مبنی ہے:

وسجد واقترب

"اور قرب حق حاصل کئے جایئے"۔

(۴) صوفی اللہ کی طرف راغب رہتا ہے یا تصوف رغبۃ الی اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تعلیم اس آیت پر مبنی ہے:

فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب

"پس اے رسول! جب آپ فرض منصبی یعنی تبلیغ اسلام سے فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کیجئے اور اپنے رب کی طرف راغب رہیے"۔

پس اسی لئے صوفی بھی اللہ ہی کو اپنا مرغوب بناتا ہے۔

(۵) تصوف کا ثمرہ معیت الٰہیہ ہے اور یہ بات بھی قرآن ہی سے ماخوذ ہے:

وهو معكم اينما كنتم

"اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو"۔

یہ معیت عمومی ہے اور کافر اور مومن دونوں پر حاوی ہے۔

ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون

"بے شک اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو متقی بھی ہیں اور محسن بھی ہیں"۔

یہ معیت خصوصی ہے۔ کفار اس نعمت سے محروم ہیں اور اس محرومی کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔

تصوف کا دستور العمل

تصوف کا دستور العمل یا طریق جسے اصطلاح میں تزکیہ نفس کہتے ہیں، قرآن ہی سے ماخوذ ہے اور تزکیہ نفس خود قرآن سے ثابت ہے:

(الف) ترجمہ: "اللہ ہی وہ ذات پاک ہے جس نے امیوں میں ایک عظیم المرتبت رسول معبوث فرمایا، جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے"۔

(ب) تزکیہ نفس کا دستور العمل سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات میں درج ہے۔ اس کے مطالعے سے واضح ہو جائے گا کہ صوفیہ صحیح معنوں میں متبع سنت نبویؐ ہیں اور ان کی زندگی صحیح معنوں میں اسلامی زندگی ہے:

لفظی ترجمہ یہ ہے: "اے کپڑا اوڑھنے والے! کھڑا رہا کر رات کو مگر تھوڑی دیر کے لئے۔ آدھی رات یا اس میں سے بھی کم کر لیا کر یا کچھ بڑھا دیا کر۔ اور قرآن کو خوب آہستہ آہستہ پڑھا

کر۔ تحقیق ہم ڈالنے والے ہیں تیرے اوپر ایک بھاری حکم کا بوجھ۔ تحقیق اٹھنا رات کا
سخت (موثر) ہے نفس کو کچلنے میں، اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو (یعنی اس وقت
ٹھیک دل سے نکلتی ہے) تحقیق تیرے لئے دن میں (بسلسلہ تبلیغ) بڑا مشغلہ رہا کرے گا۔ اور
کر اپنے پروردگار کے نام کا اور اسی کا ہو رہ سب سے ٹوٹ کر وہ پروردگار ہے مشرق اور مغرب
نہیں ہے معبود اس کے سوا۔ پس بنا لے اسی کو اپنا کارساز۔ اور صبر کر اوپر ان باتوں کے جو
تیری نسبت کہتے ہیں۔ اور قطع تعلق کر لے ان سے وضع داری کے ساتھ۔ اور چھوڑ دے مجھ کو
ان جھٹلانے والوں کو جو خوش حال اور دولت مند ہیں (میں ان سے بھگت لوں گا) اور انہیں تھوڑی
سی مہلت دے''۔

میں نے قصداً لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اب ناظرین اس ترجمے کو غور سے پڑھیں انہیں خود معلوم
ہو جائے گا کہ صوفیائے کرام نے سلوک کے تمام بنیادی اصول انہی آیات سے مستنبط کئے ہیں
جن کی تفصیل ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱۔ شیخ طریقت سالک کو حکم دیتا ہے کہ آخر شب میں اٹھو۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے
''**قم الیل**'' کھڑا رہا کر رات کو۔

۲۔ اٹھ کر نماز تہجد پڑھو۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے جو سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر
۷۹ میں مندرج ہے اور یہ حکم سورۃ مزمل کی آیت نمبر ۳ کی شرح ہے: **وم الیل فتھجد بہ نافلۃ لک** اور رات کے ایک حصے میں نماز تہجد پڑھا کرو (اور نمازیں تو فرض ہیں لیکن یہ
تمہارے لئے نفلی نماز ہے۔ واضح ہو کہ یہ نماز فرض نہیں ہے مگر جو شخص قرب ایزدی کا طالب ہو
اس کے لئے اشد ضروری ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعے
قرب خداوندی حاصل کر سکتا ہے۔

۳۔ نماز تہجد میں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھو۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے: **ورتل القرآن ترتیلاً**۔ اور نہایت آہستہ آہستہ یعنی واضح طور پر قرآن پڑھ۔ اس آیت میں ''رتل''
کے بعد ''ترتیل'' کا لفظ تاکید کے لئے لایا گیا ہے یعنی بہت رک رک کر قرآن پڑھو تاکہ معانی
میں تدبر حاصل کر سکو، جس کا ثمرہ یہ ملے گا کہ قرآن کے معانی ذہن نشین ہو جائیں گے اور ان کی
بدولت باطن میں وہ انقلاب پیدا ہو جائے گا جو مقصود تلاوت ہے۔ اس کا ثبوت صحابہ کرام کی
زندگیوں سے بخوبی مل سکتا ہے۔

ترتیل کے لفظی معنی ہیں الفاظ کا منہ سے درستی کے ساتھ بسہولت ادا کرنا۔ آہستہ آہستہ واضح طور پر پڑھنا لیکن اس کے وہ معنی جو حضور انور ﷺ کی مراد ہے کچھ اور ہیں جو ذیل کی حدیث سے واضح ہو سکتے ہیں:

حضرت حسنؓ راوی ہیں کہ ایک دن حضور انور ﷺ ایک شخص کے پاس سے ہو کر گزرے جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ **رتل القرآن ترتیلا**؟ یہ ہے ترتیل"۔

اس حدیث سے ترتیل کا حقیقی مفہوم واضح ہو گیا یعنی ترتیل کا دراصل مطلب یہ ہے کہ قاری اس طرح رک رک کر قرآن پڑھے کہ تدبر یعنی معانی میں غور و فکر کر سکے۔ اور جب وہ ایسا کرے گا تو معانی ذہن نشین ہو کر اس میں رقت کی کیفیت پیدا کر دیں گے۔

ج۔ ذکر و فکر، مراقبہ، مجاہدہ، اوراد، اشغال اور جملہ لوازم سلوک سے مقصود صرف یہی ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہو جائے۔ یہ مقصود اس آیت سے ثابت ہے:

ان ناشئة الیل هی اشد وطاٴ واقوم قیلاً

"بیشک اٹھنا رات کا بڑا موثر ہے نفس کو کچلنے میں اور اس وقت ذکر الٰہی دل سے بطرز احسن ہوتا ہے"۔

د۔ شیخ طریقت سالک کو ذکر اسم ذات کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تلقین اس حکم (آیت) سے ماخوذ ہے:

واذکراسم ربك (یعنی اپنے رب کے نام کو یاد کر)۔

ہ۔ تصوف میں تبتل کی تلقین کی جاتی ہے اور یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے:

وتبتل الیه تبتیلاً یعنی پورے طور سے تمام علائق مادی (دنیوی) سے قطع تعلق کر۔

یہاں امر تبتل کے بعد مصدر (تبتیل) لایا گیا ہے جس سے تاکید مراد ہے یعنی کامل طور سے قطع تعلق کر۔ تبتل کا مادہ بتل ہے اور بتل کہتے ہیں قینچی سے کاٹ دینے کو۔ اس **لفظ کی مزید تشریح یہ** ہے:

ترجمہ: "تبتل، عربی زبان میں تفرد یا قطع کو کہتے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کے سوا (مادیات سے قطع تعلق) اختیار کر۔ پس جو تبتل شریعت میں مقصود ہے یا جس کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لذات دنیوی سے قطع نظر کی جائے اور اللہ کی عبادت خلوص دل کے ساتھ کی جائے

اور جس تبتل سے شریعت نے منع کیا ہے وہ نصاریٰ کا تبتل ہے یعنی نکاح (عائلی زندگی) کو ترک کر دینا''۔

خلاصہ کلام اینکہ اسلامی تصوف میں تبتل سے رہبانیۃ مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب لذات دنیوی سے قطع تعلق کرنا یا دنیا کو مقصود نہ بنانا، بلکہ دنیا میں رہنا مگر اس سے دل نہ لگانا۔

۷۔ سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنا وکیل (کارساز) بناؤ۔ صرف اسی پر بھروسہ کرو، اپنی دولت، مال اولاد، جائداد اور مادی تعلقات پر بھروسہ مت کرو۔ یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے: **فاتخذه وكيلاً**

۸۔ سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اغیار کے اعتراضات پر صبر کرو یعنی اگر کوئی شخص تم پر طعن و طنز کرے، اعتراض کرے، تمہیں برا کہے یا تمہاری برائی کرے تو تم اس کی جفاؤں کو خاموشی سے برداشت کرو کیونکہ اگر تم اس سے الجھے تو تمھارا مقصد فوت ہو جائے گا۔ جب تم نے اللہ کو اپنا وکیل بنالیا ہے تو وہ تمھاری طرف سے مدافعت کے لئے کافی ہے۔ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے: **واصبر علىٰ مايقولون**

۹۔ سالک کو حکم دیا جاتا ہے کہ مخالفین سے کنارہ کشی اختیار کرو مگر لڑ بھڑ کر نہیں، بدکلامی کے بعد نہیں بلکہ خوب صورتی کے ساتھ۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے:

واهجرهم هجراً جميلاً ''ان سے عمدگی کے ساتھ کنارہ کش ہو جا''۔

۱۰۔ سالک کو تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ تمھاری تکذیب یا تردید کر دیں تم خود ان سے بحث مباحثہ مت کرو، کیونکہ تمھاری توجہ مقصود سے ہٹ جائے گی۔ لوگوں سے الجھنا، مناظرہ کرنا، مقابلہ کرنا یہ سب باتیں تمہارے حق میں مضر ہیں۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے: **وذرنی والمكذبين** (تلك عشرة كاملة)

یہ اسلامی تصوف کے دس بنیادی اصول ہیں اور سب کے سب قرآن کی مذکورہ بالا آیتوں سے ماخوذ ہیں بلکہ ان پر مبنی ہیں۔ (جاری ہے)

معاشرے کے لئے ضروری دینی اصلاحات

مفتی محمد شفیع

(کئی سال قبل وزارت قانون اسلام آباد کی درخواست پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے پاکستان میں مسلم معاشرہ قائم کرنے کی غرض سے چند تجاویز پیش کی تھیں اب بھی لائق توجہ اور قابل عمل ہیں)

محترمی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ اس بات سے مسرت ہوئی کہ وزارت قانون دستور کی اس دفعہ پر عمل کرنے کی طرف توجہ دے رہی ہے جس میں حکومت پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ تمام ایسے ضروری اقدامات کرے جن سے پاکستان کے مسلمان اپنے نظام زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھال سکے۔ لیکن اس سلسلے میں جو سوالنامہ آپ کی طرف جاری ہوا ہے اس پر میں تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے نتیجہ میں حکومت کو ایسے عملی اقدامات کی توفیق مرحمت فرمائے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہوں اور پاکستان کو اس کی حقیقی منزل یعنی صحیح اسلامی معاشرے کی طرف گامزن کریں آمین ثم آمین۔

اپنی موجودہ زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ہمیں کیا کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟ یہ ایک بڑا طویل الذیل موضوع ہے جسے اختصار کے ساتھ کسی مکتوب یا مضمون میں سمیٹنا مشکل ہے کیونکہ ہمارا بگاڑ ہمہ جہتی نوعیت کا ہے اور اس کی اصلاح کے لئے بھی ہمہ جہتی اقدامات کی ضرورت ہے تاہم آپ کی فرمائش کے جواب میں چند وہ بنیادی باتیں ذیل میں پیش خدمت ہیں جن کے بارے میں خیال یہ ہے کہ وہ ہماری اجتماعی اصلاح کے سلسلے میں اساسی اہمیت رکھتی ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نہ صرف دور رس نتائج نکل سکتے ہیں بلکہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اصلاحات کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ لیکن شروع میں ایک نہایت اہم حقیقت کی طرف توجہ دلانا بہت ضروری ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہماری موجودہ زندگی اسلام کے تقاضوں سے بہت دور ہٹ چکی ہے اور ساتھ ہی اس بات سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ صورت حال راتوں رات پیدا

فلاح آدمیت

نہیں ہوگئی بلکہ ہمیں اپنی دینی بے راہ روی کے اس مقام تک پہنچنے میں ایک طویل عرصہ لگا ہے اور اس طویل عرصہ میں ہماری زندگی کی ایک ایک چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہے۔ لہٰذا اپنے اصل مقام پر واپس لوٹنے کے لئے کوئی جزوی نوعیت کا اقدام موثر نہیں ہوسکتا بلکہ اگر سچے دل سے مقصد پیش نظر ہو تو انقلابی نوعیت کے اقدامات کے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم اسلام سے دور ہٹ چکے ہیں اور ہماری صلاح وفلاح اسے پھر سے اختیار کرنے پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ اعتراف نہ ہوتا تو اس سوال نامے کی ضرورت ہی نہ تھی، تو پھر ہمیں ایسے انقلابی اقدامات کے لئے تیار رہنا چاہیے جو محض دفع الوقتی کے بجائے ہم سے اپنی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کرنے کا مطالبہ کرتے ہوں جس وقت سے ہم اسلام سے منحرف ہوئے ہیں۔ اس وقت سے اب تک ہماری کئی نسلیں بدل چکی ہیں اور اس عرصہ میں ایک خاص طرز زندگی کے عادی اور اس سے مانوس ہوگئے ہیں لیکن اگر ہم واقعۃً اصلاح چاہتے ہیں تو ہمیں اس بات کے لئے تیار رہنا چاہیے کہ جو نیا طریق کار دین، عقل اور تجربات کی رو سے ہمارے لئے ضروری ہوگا اسے اختیار کرنے کے لئے ہمیں بسا اوقات اپنے اس طرز زندگی کی قربانی دینی پڑے گی جو سالہا سال سے ہمارا معمول ہونے کی بنا پر ہماری رگ و پے میں پیوست ہو چکا ہے۔

اس سے پہلے بھی کئی بار حکومت کے پیمانے پر معاشرے میں اسلامی اصلاحات لانے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے لیکن اس کی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ رہی ہے کہ بگاڑ کے اصل سرچشموں کو جوں کا توں چھوڑنے کے بعد ہم محض چند سرسری اور سطحی اقدامت کے ذریعہ اسلامی اصلاحات کا فائدہ حاصل کرنے کی فکر کرتے رہے ہیں۔ ان سرسری اور جزوی اقدامات کی حیثیت بالکل ایسی تھی جیسے ایک مشین کے چند پرزے نکال کر اس میں دوسری مشین کے پرزے فٹ کر دیے جائیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کسی بھی مشین کا صحیح فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لئے اگر واقعی ہمارے دل میں اصلاح کی خواہش ہے تو ہمیں یہ بات اچھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس کے لئے ہمیں چند سطحی اور اوپری کاموں کے بجائے فساد کے ان سرچشموں پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا جہاں سے ساری خرابیوں کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ یہاں میں اپنی محدود فہم کے مطابق انہی سرچشموں

کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔

راقم کی ناچیز رائے میں ہمارے بگاڑ کے بنیادی ماخذ کل پانچ ہیں۔ اور سب سے پہلے انہی کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ تعلیم، قانون، معیشت، نشر و اشاعت، اور معاشرت۔ ان پانچ شعبوں میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ان ضروری تبدیلیوں کی مختصر نشاندہی کی جارہی ہے۔ ہر تجویز کے مفصل دلائل پیش کرنے کا یہ موقع نہیں لہٰذا یہاں اختصار سے کام لیا جائے گا۔ اگر بات آگے بڑھے تو ہر تجویز پر مفصل دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں۔

1- تعلیم

ہمارے دینی بگاڑ کا شاید سب سے بڑا اور بنیادی سبب ہمارا وہ نظام تعلیم ہے جسے ہم سالہا سال سے بے سوچے سمجھے اپنے جوانوں پر لادے چلے آرہے ہیں۔ دنیا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ذہن و دل کی تطہیر کے بغیر نرا قانون کبھی کسی معاشرے میں کوئی انقلاب نہیں لا سکا اور ذہن و دل کی تطہیر کا سب سے موثر ذریعہ تعلیم ہے خود انگریز نے جب ہمیں اپنے رنگ میں رنگنے کا ارادہ کیا تو اس کا سب سے پہلا اور سب سے موثر حربہ یہ تھا کہ اس نے ہمارے نظام تعلیم کو بدل کر ایک ایسا تعلیمی نظام ہم پر مسلط کر دیا جو بقول اس کے ''ہندوستانی انگریز'' کرنے کی لئے بنایا گیا تھا اور جس کا واحد مقصد ہی ایسے ذہنوں کی تعمیر تھا جو مغرب کی عقل سے سوچنے کے عادی ہوں اور ان پر زندگی کے ہر شعبے میں مغرب کی بالادستی کا زبردست رعب چھایا ہوا ہو۔ اب اس طلسم کا توڑ صرف اس طرح ممکن ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے نظام تعلیم کو بدل کر اس کی رگ رگ میں اسلامی طرز فکر اور اسلامی ذہنیت کو سمو دیں اور اس مغربی زہر کو پوری جرات کے ساتھ نکال باہر کریں جس نے ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں کو مسموم کر کے ان میں اسلام کے داخلے کا راستہ روک رکھا ہے۔

اس تجویز کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے طلباء کو عصر جدید کی تحقیقات سے بے خبر رکھیں، نہ اس کا یہ مقصد ہے کہ علم و فن کے مختلف گوشوں میں اہل مغرب نے جو نئے تجربات کئے ہیں ہم ان سے مستفید نہ ہوں بلکہ منشا یہ ہے کہ ہم اپنے طلباء کے ذہن میں اسلام کو اتنا راسخ اور اسلامی مزاج و مذاق کو اتنا پیوست کر دیں کہ وہ ملی شعور کے ساتھ دنیا کے ہر علم و فن میں اعلیٰ درجے کی مہارت

پیدا کرنے کے بعد ایک نیک باشعور، خوددار اور غیرتمند مسلمان ثابت ہوں اور ملک وملت کی صحیح خدمت کر سکیں۔

نظام تعلیم کی اصلاح بذات خود ایک طویل موضوع ہے۔ اس تحریر کے ساتھ ایک مطبوعہ یادداشت منسلک کی جارہی ہے جو ملک کے متعدد علماء اور ماہرین تعلیم کے باہمی مشوروں سے مرتب کی گئی تھی۔ اس میں خاصی تفصیل کے ساتھ نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے ضروری تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ان تجاویز کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) تعلیم کا نظام اور نصاب اس طرز پر بنایا جائے کہ طلباء کے سامنے تعلیم کا جو مقصد آئے وہ محض حصول معاش نہ ہو بلکہ ذات کی تکمیل، اعلیٰ انسانی اوصاف کا حصول اور ملک وملت کی خدمت ہو۔

(۲) نظام تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ صرف ایک گھنٹہ میں اسلامیات کو لازمی قرار دیا جائے بلکہ اس کے لئے ہر علم وفن کے نصاب کو اس طرح مدون کرنے کی ضرورت ہے کہ:

(الف) اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے افکار ہر علم وفن میں رچے بسے ہوئے ہوں۔

(ب) ہر علم وفن کی تعلیم اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر کے ساتھ دی جائے، ان دونوں باتوں کی پوری تفصیل وتشریح منسلکہ یادداشت میں موجود ہے۔

(۳) اسلامیات کی تعلیم کا معیار بلند کیا جائے اور اس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد کی ٹھوس تعلیمات اتنی مقدار میں دے دی جائے کہ دسویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے ہر طالب علم کے سامنے اسلام کی ایک صحیح اجمالی تصویر آجائے۔ اس کا مجوزہ سلیبس منسلکہ یادداشت میں موجود ہے۔

(۴) کالج کی سطح پر اسلامیات کی مستقل فیکلٹی قائم کی جائے جس میں تمام اسلامی علوم کی وسیع وعمیق تدریس کا انتظام ہو۔

(۵) پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں اساتذہ کے تقرر کے وقت اس بات پر کڑی نگاہ رکھی جائے کہ جن لوگوں کو یہ خدمت سونپی جارہی ہے وہ اپنے اپنے فن میں

ہیں کی مہارت اور تجربہ رکھنے کے علاوہ اپنے دلوں میں خدا اور رسول ﷺ کی عظمت رکھتے ہوں، نظریاتی طور پر اسلام اور پاکستان کے مکمل وفادار ہوں۔ عملی زندگی میں کھلی بے دینی اور بے حیائی سے پرہیز کرتے ہوں اور طلباء کے ذہنوں کی صحیح تعمیر کی قابلیت رکھتے ہوں۔ کیونکہ تعلیم کا نصاب خواہ کتنا بہتر کیوں نہ ہو اگر اسے پڑھانے والوں کا ذہن درست نہیں ہے تو اس سے طلباء کی صحیح بنیادوں پر استوار نہیں ہوسکتی، خاص طور سے اسلامیات کی تعلیم کے لئے اساتذہ کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو لازمی شرط قرار دیا جائے کہ وہ اپنی ظاہری عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات کے پابند ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ وہ طلباء کے اندر اسلامی روح پھونکنے میں ناکام رہیں گے۔

(۶) مخلوط تعلیم کو بلا تاخیر فوراً ختم کیا جائے اور عورتوں کی تعلیم کے لئے جداگانہ طور پر ایسا انتظام کیا جائے جو ان کی اپنی ضروریات کے مطابق ہو، موجودہ حالات میں مخلوط طریقہ تعلیم سے نوجوان نسل کے ذہن وعمل اور تعلیمی معیار پر جو تباہ کن اثرات پڑ رہے ہیں وہ کسی تبصرے کے محتاج نہیں۔

(۷) طلباء کو غیر نصابی سرگرمیوں میں ایسی سرگرمیوں کی اجازت نہ دی جائے جو کہ اسلام کے خلاف ہوں مثلاً رقص وسرود اور مخلوط ڈرامے۔

(۸) پورے پاکستان کے طلباء کے لئے قومی لباس کا یونیفارم مقرر کیا جائے۔

(۹) درس گاہوں میں اسلامی شعائر کا پورا احترام کیا جائے نمازوں کے اوقات میں نماز کے وقفے دیئے جائیں اور ہر درسگاہ میں نماز کے لئے جگہ مخصوص کرنا لازمی قرار دیا جائے اور درسگاہوں میں ایسا دلکش اسلامی ماحول پیدا کیا جائے جس میں خود بخود نیکیوں کی امنگ اور بدی کی نفرت پیدا ہو۔

(۱۰) ہفتہ وار تعطیل اتوار کے بجائے جمعہ کو کی جائے۔

حیات ملی اور علماء و مشائخ

مولانا ابوالحسن علی ندوی

حضرات! میں اس تھوڑے سے وقت میں ایسے معزز حضرات کی خدمت میں کیا عرض کروں؟

میں ایک حدیث سے مدد لیتا ہوں، صحیحین کی حدیث ہے۔ کلام نبوت کا نور اس میں چمک رہا ہے۔ ''غور سے سن لو، جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو جسم کا پورا نظام درست رہتا ہے، اور اگر اس میں بگاڑ آ جائے تو پھر پورا جسم بگڑنے لگتا ہے، اس میں فساد پھیل جاتا ہے''۔ معلوم ہے مضغہ گوشت کیا ہے، کونسا ہے؟ آپ نے خود ہی اس کی تشریح فرمائی ''یاد رکھو وہ دل ہے''۔ تو میں سمجھ رہا ہوں کہ جس طریقہ سے جسم انسانی کا ایک قلب ہوتا ہے امت کا بھی ایک قلب ہوتا ہے، انسانیت کا بھی ایک قلب ہوتا ہے۔ یہ قلب جسم انسانی کے اندر اپنے فرائض انجام دیتا ہے، اور اس انسانی جسم کا پورا نظام اس پر موقوف ہوتا ہے، یہ قلب اگر خراب ہو جائے (اور اس کی شکلیں بہت سی ہیں) اس بگاڑ کی اور اس بیماری کی نوعیت کچھ ہو، لیکن جب قلب اس سے متاثر ہو جاتا ہے تو پورا جسم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اور پورا جسم اپنے اس نقطہ اعتدال اور اپنے اس مقام سے ہٹ جاتا ہے جس مقام پر وہ تھا، اس وقت میں سمجھ رہا ہوں کہ میں کشمیر کے قلب، شاید قلب و دماغ دونوں سے خطاب کر رہا ہوں، ہم آپ سب خدا کے فضل سے صاحب قلب ہیں، اہل دل تو نہیں کہتا، اہل دل تو بہت با معنی اور بہت بلند مفہوم رکھنے والا لقب ہے۔ شیخ سعدیؒ جہاں ذکر کرتے ہیں ''صاحب دلے گفتہ'' صاحب دل فرمود، کہتے ہیں۔ اہل دل کا تو بڑا مقام ہے، لیکن ہم سب اصحاب قلوب ضرور ہیں آپ غور فرمائیے، دل کے لئے جادہ اعتدال پر رہنے کے لئے اور اپنا فطری وظیفہ بحیثیت ایک مضغہ گوشت، بحیثیت ایک جز کے (لیکن کل کی تنظیم کرنے والے اور حفاظت کرنے والے عضو کے) بڑے نازک اور عظیم فرائض ہیں۔

اب میں عرض کروں گا کہ دل کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں، تا کہ وہ اپنا فطری وظیفہ ادا کر سکے اور جسم کا نظام درست رہے، پہلی چیز یہ کہ وہ زندہ ہو، سارا انحصار اس کی زندگی پر ہے۔ اگر دل مر گیا تو پھر کسی چیز کا سوال نہیں، کسی شاعر نے کہا ہے:

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگی ہی عبارت ہے تیرے جینے سے

پہلی شرط ہے کہ دل زندہ ہو، اس کا زندگی سے رشتہ جڑا ہوا ہو، دوسری بات یہ کہ دل میں
ت بند ہوئی تو دل بھی ختم اور جسم بھی ختم، پھر زندگی کا کوئی سوال نہیں، دل کو حرکت میں رکھنے
ئے کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں، طبی، جسمانی، عضوی اور اب میکانکی بھی۔ آپ سب جانتے
کہ دل کو حرکت میں لانے کے لئے جس طریقہ سے ایک انسان اپنی زندگی کے لئے ہاتھ
ؤں مارتا ہے، اسی طرح معالجین اور اطباء اور ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں، اس کو حرکت میں لانے کے
ر کیا کیا تدبیریں کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حرکت میں آ جائے، پھر آگے اس کو باقی رکھنے کی
ش کی جائے گی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دل میں حرارت ہو، دل سرد اور افسردہ نہ ہو جائے، یہ
رطیں ہوئیں: حیات، حرکت، حرارت

ب میں عرض کرونگا کہ جس خطہ، جس ملت وامت اور جس خاندان کے خواص ہوں ان کے
ی یہ تین شرطیں ہیں، پہلے یہ کہ وہ زندہ ہوں، دوسرے یہ کہ وہ متحرک ہوں، تیسرے یہ کہ ان
ندر حرارت ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز چلی جائے اور خواص کا رشتہ زندگی سے منقطع
ئے، تو پھر عوام کا کیا حال ہوگا، آپ سمجھ سکتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ خواص پاور ہاؤس ہیں، ملت
یہ اور یہ ملت جو آج تک قائم ہے، اپنے اس پاور ہاؤس کے تعلق کی وجہ سے اس کا پاور ہاؤس
بند نہیں ہوا، معطل نہیں ہوا، آپ دیکھتے ہیں تھوڑی دیر کے لئے پاور ہاؤس آپ کے شہر کا
نا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کا ربط ٹوٹ جاتا ہے تو وائر (بجلی کے تاروں) میں کرنٹ بند ہو جاتا
اور ہر جگہ اندھیرا اور سردی پھیل جاتی ہے، تو ملت کا پاور ہاؤس اس کے خواص ہیں، تاریخ
تاتی ہے کہ کسی دور میں اس ملت کا پاور ہاؤس بند نہیں ہوا۔ یہ امت کے تسلسل کی تاریخ
ت خواص کے اصلاحی کارناموں کے تسلسل کی تاریخ ہے، اگر آپ اس کو ذرا گہرائی سے
ں گے تو آپ جس کو ملت اسلامیہ کی بقا کی تاریخ کہتے ہیں، یہ ملت اسلامیہ کے خواص کی بقا
ل کی تاریخ ہے، ملت میں ہر دور میں ایسے لوگ موجود تھے، جو خود زندہ تھے، خود متحرک تھے،
ب حرارت تھے، ان کی وجہ سے ملت کی رگوں میں خون کی تقسیم صحیح ہوتی تھی۔ آپ جانتے
دل خون تقسیم کرتا ہے، اس کی وجہ سے یہ خون رگوں اور شرائین میں دوڑتا ہے، تو ملت کے

قلب نے کبھی اپنا کام بند نہیں کیا، ملتوں پر جو زوال آیا اور ملتیں مٹ گئیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا پاور ہاؤس بند ہو گیا۔ آپ عیسائیت کی تاریخ پڑھیں، یہودیت کی تاریخ پڑھیں آپ کو معلوم ہوگا کہ انبیائے بنی اسرائیل کے تھوڑے عرصہ کے بعد اسرائیلی پاور ہاؤس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، وہ کام کیا تھا، احتساب کا کام، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام، حق وباطل میں تمیز کا کام، اور بے خوفی، بے رعبی، خدا پر توکل، صحیح کلمہ حق کہنا، ہر حال میں کوئی ناراض ہو، کوئی راضی ہو، بنی اسرائیل کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس پاور ہاؤس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا تھا، قرآن مجید میں اس کی شہادت ہے:

"اے ایمان والو (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور فقیر لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں"۔

اس سے بڑھ کر شاید شہادت نہیں ہوسکتی کہ بنی اسرائیل کا پاور ہاؤس کیا تھا؟ یہ اس کے احبار ورہبان تھے، ان کے علماء اور مشائخ تھے، احبار ورہبان اگر آپ اس وقت کی اصطلاحات میں، اور اسلامی ٹرمس Terms میں ترجمہ کریں تو "علماء ومشائخ" ترجمہ ہوگا، ان کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے، "یعنی جو کام تھا وہ نہیں کرتے تھے اور جو کام نہیں کرنا تھا وہ کرتے تھے" اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ پاور ہاؤس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، دوسرا کام شروع کر دیا، یہ کانسٹیبل جو ٹریفک کنٹرول کرتا ہے یہ اگر اپنی جگہ چھوڑ دے اور پانی پلانے لگے راستہ بتانے لگے تو سواریوں میں ٹکر ہو جائے، بیسیوں حوادث پیش آئیں، حالانکہ وہ کار خیر کر رہا ہے، بہت ثواب کا کام کرتا ہے پیاسے کو پانی پلاتا ہے، دور تک جاتا ہے راستہ بتانے کیلئے، لیکن وہ مستوجب تعزیر ہوگا کہ اس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، ڈیوٹی چھوڑ دی، علماء ومشائخ کا کام کیا تھا؟ اللہ پر بھروسہ کرنا، زہد وقناعت کی زندگی گزارنا، دوسروں کی جیبوں پر نظر نہ ڈالنا، دوسروں کے مال کو نہ دیکھنا، اور جو ملے اس پر شکر کرنا، لیکن کیا کرنے لگے **یاکلون اموال الناس بالباطل** "وہ لوگوں کا باطل طریقہ پر مال کھانے لگے" خود محنت نہ کرتے دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتے، دوسروں کی محنت کیا ہے؟ اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا، اس محنت سے تو یہ مفت میں فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن ان کی جو محنت تھی، انہوں نے جو پڑھنے میں محنت کی تھی، علم حاصل کرنے میں محنت کی تھی اس کا نتیجہ لوگوں کو وہ دیتے نہیں۔ یہ اپنی محنت

نہیں کرتے، اور لوگوں کی محنت کے نتیجہ پر وہ حاوی اور مسلط ہو گئے ہیں
کے نتیجہ میں لوگوں کو شریک ہی نہیں کی نذر ہو جاتا ہے: **ويصدون عن سبيل الله** "ان کا کام تھا
کہ اس کا بڑا حصہ انہیں لگے۔ یعنی بجائے رہبر کے رہزن بن گئے، اگر آپ ملتوں کی
لوگوں کو راستہ بتانا، الٹا راستہ روکنے لگے۔ یعنی بجائے رہبر کے رہزن بن گئے، اگر آپ ملتوں کی
تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا پاور ہاؤس پہلے بند ہوا، اور ملت میں بعد میں فساد آیا،
تحریف آئی۔

یہ ہر ملت کی تاریخ ہے، لیکن ہماری ملت کی تاریخ یہ ہے کہ مختصر مختصر دور میں بھی اس کے پاور
ہاؤس نے کام کرنا نہیں چھوڑا، اور یہ ایک ایسا تسلسل ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر قسم کھائے تو وہ
حانث نہیں ہوگا (یعنی اس کو کفارہ دینا نہیں ہوگا) اگر میں یہ کہوں کہ اس ملت کی تاریخ میں ایک مہینہ کی
مدت بھی ایسی نہیں گزری کہ جس میں اس کا پاور ہاؤس بالکل خاموش ہو گیا ہو، اور کوئی خدا کا
بندہ عالم اسلام کے کسی حصہ میں کسی ملک میں بھی نہیں رہا جو حق کو حق کہے، باطل کو باطل کہے، تو یہ
صحیح نہیں اور اس کی سب سے بڑی شہادت صحاح کی روایت ہے کہ: "میری امت کے ہر دور
میں، ہر زمانہ میں ایک جماعت ضرور رہے گی، جو حق پر قائم ہوگی، اور کوئی ان کی کتنی ہی مخالفت
کرے، اور ان کی مدد نہ کرے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا"۔

اب کسی علاقہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ وہاں کے خواص جو وہاں کا قلب ہیں
وہ مردہ ہو جائیں، یا متحرک ہو جائیں یا ان کی حرارت ختم ہو جائے، بس اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ
یہ تینوں شرطیں ہم میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ حیات، حرکت، حرارت۔ اگر حیات ہے لیکن حرکت
نہیں ہے، ہماری زندگی میں وقوف و تعطل پیدا ہو گیا ہے، تو جیسے بہتا ہوا پانی، رکنے کے بعد خراب
ہونا شروع ہو جاتا ہے، اور اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے معاشرہ اور حیات ملی
میں بھی فساد آجائے گا، تیسری بات بلکہ آپ کے اندر حرارت بھی ہو، یعنی آپ کے اندر تعلق مع
اللہ، عشق رسول ﷺ لقائے رب اور جنت کا شوق ایمان کی قوت اور حق بات کہنے کی جرات باقی
ہو، تو پھر کوئی کتنی ہی سازش کرے اس جسم کو خراب کرنے کی جسم خراب نہیں ہوگا۔ لیکن اگر قلب اپنا
کام کرنا چھوڑ دے تو دنیا کی ساری سلطنتیں اور طاقتیں جمع ہو جائیں تو اس جسم کو زندہ نہیں رکھ
سکتیں۔ جس طریقہ سے کسی درخت کی اگر قوت نمو ختم ہو جائے تو آپ ہزار مرتبہ ہزار طریقے سے
اس پر پانی گرائیں تو وہ درخت سرسبز نہیں رہ سکتا، تھوڑے دن میں وہ گر جائے گا، اور ایندھن بن

جائے گا۔

حضرات! ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان میں ہر دور میں ایسی لوگ رہے جو حق بات کہتے تھے، اور ان کے اندر حرارت تھی، حرارت ایمانی اور حرارت عشقی ان کے اندر باقی تھی۔ جو شخص ان کے پاس بیٹھتا تھا وہ متاثر ہوتا تھا، ان کے پاس سے گزر جانے والا بھی بعض اوقات محروم نہیں رہتا تھا۔ اس کو بھی آنچ پہنچ جاتی تھی، اس میں بھی کرنٹ دوڑ جاتا تھا۔ یہ جو آپ تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کے ذکر میں سنتے ہیں کہ ان کے اندر بھی توکل کے بجائے تواکل، اور حرکت کی بجائے تعطل پیدا ہوگیا تھا اور رسمیت آگئی تھی تو یہ بعد کی بات ہے۔ اور کسی حلقہ اور جگہ کے ساتھ مخصوص ہے،، ہم ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ لوگ جو صوفیاء اور مشائخ کہلاتے تھے، ان کے ذریعہ سے عوام میں ایمان اور عمل کا ایک کرنٹ دوڑتا تھا۔ اور اگر ایک شہر میں ایک بھی ایسا آدمی ہوتا تھا تو اس شہر پر غفلت، جاہلیت، خدا فراموشی، دولت پرستی اور موقعہ پرستی کا پورا حملہ نہیں ہونے پاتا تھا، ہوتا تھا لیکن یہ نہ تھا کہ پورا معاشرہ اس کا شکار ہو جائے، اور اس بہاؤ میں بہہ جائے، ایسا نہیں ہوتا تھا ایک آدمی بیٹھا ہے خدا کا بندہ اور سارے شہر میں ایک گرمی سی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی میں بیٹھے تو معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کا مرکز ثقل یہی ہے، کیا سرکار، کیا دربار، کیا امیر، کیا وزیر، کیا شاعر کیا ادیب، کیا عالم ساری مخلوق ان کی طرف چلی آرہی ہے۔ پھر خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کا دور آیا اور سارا ماحول روشنی اور گرمی سے معمور و مخمور ہوگیا۔ ہر شہر میں ایسا رہا ہے آپ اپنے کشمیر ہی کو دیکھ لیجئے یہاں اللہ کا ایک شیر آیا حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی اور سارے خطہ کو انہوں نے مسلمان بنا دیا۔ اور آج بھی ان کے خلوص کی برکت ہے، ان کی للّٰہیت کی برکت ہے، ساری خرابیوں کے باوجود یہاں مسلمان ہیں یہ کیا تھا؟ یہ وہی آپ کی حرارت و حرارت ہے، ایک قلب اس کا تناسب کیا ہوتا ہے، آپ دیکھئے جسم انسانی کتنا بڑا ہے اور قلب کتنا چھوٹا ہے، لیکن یہ چھوٹا سا ٹکڑا (مضغہ گوشت) سارے جسم پر حکومت کرتا ہے اور سارے جسم کی اصلاح و فساد اس سے مربوط ہے، خواص میں تعطل پیدا ہونا، خواص میں دنیا طلبی آنا، خواص میں دولت پرستی کا آنا، خواص میں انتشار پیدا ہونا اصل خطرے کی بات ہے۔

میں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک بزرگ نے سنایا کہ حیدر آباد میں ایک بزرگ کے گھٹنے میں درد ہو گیا تھا تو میں اس پر تیر وطی مل رہا تھا (جو وجع مفاصل اور جوڑوں کے درد کی لئے مفید ہے)

ان کے خدام، معتقدین، مریدین جن کا بڑا حلقہ تھا، جب مجلس میں بیٹھتے تھے خاموش مودب، بالکل معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں، سب سنتے ہیں اس دن معلوم نہیں کہ کیا بات ہوئی کہ ایک یہاں سے بولا، ایک نے بات کہی ایک نے اس کو کاٹا، کسی نے اس کا جواب دیا، اور بالکل معلوم ہوتا ہے بزرگوں کی مجلس نہیں ہے، ہم کسی منڈی میں مچھلی بازار یا سبزی منڈی میں پہنچ گئے ہیں۔ ادھر سے شور ادھر سے شور مجھے بڑا تعجب ہوا کہ آج ہوا کیا؟ آج یہ کیا نئی بات ہے کہ یہاں بزرگ اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ بنفس نفیس موجود لیکن آج معلوم ہوتا ہے کہ جیسے لوگوں کو احساس ہی نہیں کہ بزرگ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے میرا استعجاب و حیرت دیکھی تو گھٹنے کی طرف اشارہ کیا میں سمجھا کہ یہاں درد زیادہ ہو رہا ہے تو میں وہاں ملنے لگا، پھر مجھے تعجب ہوا کہ لوگ اب بھی خاموش نہیں ہو رہے ہیں تو انہوں نے پھر گھٹنے کی طرف اشارہ کیا، تو میں ادھر ملنے لگا، میں نہیں سمجھا کہ بات کیا ہے اس وقت وہ بزرگ میرے کان کے پاس منہ لائے اور فرمایا کہ گھٹنے کے درد کی وجہ سے میں رات کے معمولات پورے نہیں کر سکا ہوں اس کی بے برکتی اور اس کی نحوست ہے جو تم دیکھ رہے ہو، اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک بزرگ کے اپنے معمولات کے چھوڑ دینے کا جب یہ نتیجہ محفل پر ہوا تو کثیر التعداد خواص کے اپنے معمولات کے چھوڑ دینے کا کیا نتیجہ ماحول اور معاشرہ پر ہوگا؟ اب آپ ضرب لگائیے کہ ایک کا اثر اتنا تو چار کا کتنا، تو آٹھ کا کتنا، تو پچاس کا کتنا تو اگر کسی جگہ کے سب خواص ایسے ہو جائیں (خدا نخواستہ) تو کیا حال ہوگا؟ اکبر الہٰ آبادی مرحوم نے اسی حالت کو دیکھ کر کہا ہے:

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکر خدا
بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

جب خواص کو عوام دیکھیں کہ دولت کی اہمیت ان کے دل میں بھی وہی ہے، عہدہ اور عزت کی اہمیت ان کے دل میں بھی وہی ہے جو ہمارے دل میں ہے تو بتائیے کہ پھر عوام پر کیا اثر پڑے گا؟ کسی زمانہ میں خواص کا عالم تو یہ تھا کہ اللہ کا ایک بندہ ایک جگہ بیٹھا ہوا ہے، اور وہ وہاں کے بادشاہوں اور حاکموں کو منہ نہیں لگاتا، ایک بزرگ کا میں واقعہ سناتا ہوں، ان کا نام ہے شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ، سلطان العلماء کا خطاب تھا اپنے زمانہ کے بہت بڑے (شاید سب سے بڑے) شافعی عالم تھے، دمشق میں قیام تھا، بادشاہ وقت کی کسی بات پر خطبہ میں نکیر کی، بادشاہ نے

ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو علماء کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے تھا، بے رخی اور بے توجہی، اس کے بعد وہاں کہیں سے اس کی معزز مہمان آئے، وہ بھی اپنے یہاں کے بادشاہ اور حاکم تھے ان کو معلوم تھا کہ اس ملک کے سب سے بڑے عالم شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ ہیں، اور آج کل وہ معتوب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں ایسا کوئی عالم ہوتا تو ہم اس کو سر پر بٹھاتے، تعجب ہے کہ آپ اپنے یہاں کے ایسے عالم کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں، بادشاہ نے برا نہیں مانا۔ اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن بادشاہ تو بادشاہ ہی ہوتے ہیں اس کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں ایسے ہی چپ چاپ معافی مانگ لوں اور کہوں مجھ سے غلطی ہوئی تو میری سبکی ہوگی، اور میرا رعب کم ہو جائے گا، تو خواص میں سے کسی کو بلایا، اور کہا کہ دیکھو حضرت سے یہ کہنا کہ میں کسی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں تو تشریف لائیں اور دست بوسی کر لیں، میرا احترام قائم رہے گا لوگ بھی دیکھ لیں گے اس کے بعد بات رفع دفع ہو جائے گی، جب کسی نے ان سے جا کر کہا تو انہوں نے کہا کہ تم کس خیال میں ہو؟ واللہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ وہ میری دست بوسی کرے، چہ جائیکہ میں اس کی دست بوسی کروں، یہ لفظ تاریخ میں موجود ہے، بالکل ان کے الفاظ **لا ارضی ان یقبل یدی فضلاً عن ان اقبل یده** ایسے ہی ہمارے دہلی کے (جو حقیقی سلاطین دہلی کہلانے کے مستحق ہیں) بہت سے مشائخ عظام کا بھی یہی حال تھا۔ بادشاہ دہلی نے ایک مرتبہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے کہا اللہ نے مجھے بڑی دولت دی ہے، حکومت دی ہے کچھ قبول فرمائیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **قل متاع الدنیا قلیل** ''دنیا کی متاع قلیل ہے'' اس قلیل میں سے ایک قلیل ٹکڑا ہندوستان ہے۔ پھر اس میں سے ایک قلیل ٹکڑا جو آپ کے قبضہ میں ہے۔ (مثل مشہور تھی، سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم) اگر اس اقل قلیل میں سے بھی حصہ بناؤں تو کیا رہ جائے گا؟ ایسے ہی ایک مرتبہ بادشاہ نے کہا کہ میں ایک رقم پیش کرتا ہوں، آپ نے معذرت کی بادشاہ نے کہا غرباء میں تقسیم فرمائیں، فرمایا، مجھے اس کا بھی سلیقہ نہیں، آپ اپنے لوگوں کے ذریعے تقسیم کرادیں۔ یہاں سے بانٹے چلے جائیے قلعہ تک پہنچتے پہنچتے ختم ہو جائے گی۔ ختم ہوگی تو وہاں جا کر ختم ہو جائے گی ایسی ہی سینکڑوں قصے ہیں۔

یہ مثالیں تھیں، جو لوگوں کے دلوں میں گرمی پیدا کرتی تھیں۔ دنیا کی، مال کی، محبت فطرت انسانی ہے **وانہ لحب الخیر لشدید** ''مال کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے''

تیں اس کے مقابلہ میں یہ مثالیں جب آتی تھیں، استغناء کی، بے نیازی کی، دنیا کی جاہ وحشم سے
بے رغبتی کی، تو لوگوں میں ایمان تازہ ہو جایا کرتا تھا، اور قوت مقابلہ ابھرتی تھی، اور پھر مسلم
ہے، معاشرہ تنکے کی طرح نہیں بہتا تھا، جیسے آج بہتا ہے۔
خواص کے لئے صرف حیات وحرکت ہی کافی نہیں، بلکہ حرارت بھی ضروری ہے اور حرارت
کہاں سے پیدا ہوتی ہے۔ حرارت پیدا ہوتی ہے ذکر اللہ سے، حرارت پیدا ہوتی ہے دعا اور
مناجات توکل سے، اللہ کے راستہ میں تکلیف اور کچھ مجاہدہ کرنا پڑے تو دل میں حرارت پیدا ہوتی
ہے۔ یہ فقر وقناعت کے قصے جو آپ تاریخ میں پڑھتے ہیں، اور یہ حضرات جن کے قصے ہیں
انہوں نے کسی مجبوری سے اس کو نہیں اختیار کیا تھا۔ یہ ان کے دل کی آواز تھی، اور اس مجبوری سے
ضرور اختیار کیا تھا کہ وہ اپنے دل سے مجبور تھے۔ یعنی اندر سے کوئی ان سے یہ کہتا تھا کہ نہیں یہ نہیں
ہو سکتا، ہم دولت کے بندے نہیں ہیں ہم طاقت واختیار کے بندے نہیں ہیں۔
اس کی ضرورت ہے کہ یہ خواص کا طبقہ باقی رہے، اپنی خصوصیات کے ساتھ اس میں زندگی
ہے، اس میں حرکت رہے اس میں حرارت رہے اور کوئی جگہ کوئی مقام اللہ کے ان بندوں سے
خالی نہ ہوں۔ جن کو کوئی تہمت نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ بک گئے، ہزار تہمتیں سہی فلاں نے غلطی کی،
فلاں کے علم میں فلاں کمی ہے، فلاں چیز نہیں بتائی، لیکن یہ کہ بک گئے کسی کو یہ تہمت نہ لگائی جا
سکے، یہ سمجھئے کہ امت کی حفاظت کا گر ہے کہ ایک دو ہی آدمی چاہے ہوں، لیکن ایسے ہوں کہ شکوک
وشبہات سے بالاتر ہو چکے ہوں۔ **ماعلمنا علیه من سوء** جو حضرت یوسفؑ کے متعلق
امراۃ العزیز نے یہ بات کہی تھی، جب بادشاہ نے پوچھا کہ آخر قصہ کیا ہے؟ تمام شہر میں چرچا
ہے تو اس نے کہا **ماعلمنا علیه من سوء** سچی بات یہ ہے کہ کوئی کمزوری ہم نے ان میں
نہیں دیکھی تو آج بھی امراۃ العزیز ہی کا مقابلہ ہے، دولت کو امراۃ العزیز زلیخا کہہ لیجئے طاقت کو
زلیخا کہہ لیجئے، وجاہت کو زلیخا کہہ لیجئے اور یوسفؑ مصری یوسف عزیز کون ہیں؟ دین! دین کو ایسا
ہی ہونا چاہیے کہ کوئی اس کو خرید نہ سکے، اور سب شہادت دیں کہ **ما علمنا علیه من سوء**
در و دیوار سے یہ آواز آئے کہ کھرا سونا ہے جس کا جی چاہے پرکھ لے، سچی بات یہ ہے کہ امت کا
چراغ جو اس وقت تک باقی ہے، یہ انہیں بندگان خدا اور اہل دل کی وجہ سے ہے کہ جن کی وجہ سے
یہ امت ہوا میں اڑ نہیں گئی۔ جیسے اور امتیں خشک پتوں، تنکے کی طرح اڑ گئیں، یا پانی میں بہہ نہیں

گئی، جیسی اور امتیں خس وخاشاک کی طرح بہ گئیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب کا کام جاری ہو، نمازوں میں ترقی ہو رہی ہے، اس پر نظر ہو کہ تناسب کم ہو رہا ہے؟ یا بڑھ رہا ہے، مسجدیں خالی ہو رہی ہیں یا کہ بھر رہی ہیں؟ قمار خانے زیادہ آباد ہیں کہ مسجدیں زیادہ آباد ہیں؟ مسلمانوں میں کوئی نئی بیماری تو نہیں پھیل گئی، مثلاً شراب نوشی، قمار بازی کی، یا کسی خراب عادت اور بیماری کی ترقی تو نہیں ہے؟ اس سب کی فکر رکھنا، اور اس سے متفکر اور غمگین ہونا اس کا صدمہ ہونا کہ مسلمانوں میں یہ چیز غلط پھیل رہی ہے، اچھی چیز ختم ہو رہی ہے، خواص امت کا فریضہ اور طبعی وظیفہ ہے، یہ تبلیغی جماعت کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے خواص کو عوام تک پہنچا دیا، پہلے عوام کو خواص کے پاس لاتے تھے، اس نے خواص کو عوام سے جوڑ دیا میں یہ نہیں کہتا کہ یہی واحد طریقہ ہے، لیکن عوام سے ربط ہونا چاہیے، ان کے پاس جانا چاہیے، محلوں اور گلیوں میں جانا چاہیے تا کہ دیکھا جا سکے کہ دین بڑھ رہا ہے، یا گھٹ رہا ہے ترقی ہے کہ تنزلی ہے، کیا چیز نئی پیدا ہوئی، اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا ہے:

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو

کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

حضرات! میں اس وقت اس حال میں نہیں ہوں کہ اس سے زیادہ عرض کروں، اور نہ اس کی ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مغز کی بات ہو چکی، آخر میں میں حدیث شریف برکت کے لئے دہراتا ہوں: **قال رسول اللہ ﷺ "الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب"**

شیخ عبدالمجید سندھی

(ہندوستان)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

شیخ عبدالمجید سندھی، ان رجال عظیم میں سے ہیں جنہوں نے جنگ آزادی کو حقیقی معنوں میں لڑا۔ انہوں نے روایتی ہندو مذہب کو خیر باد کہہ کر ''اسلام'' قبول کیا۔ ہم نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس داستاں کو قلم بند کیا۔ پھر اس مواد کو سنا کر ان کی منظوری حاصل کی۔ اس طرح یہ داستاں گویا ان کی خود نوشت ہے۔

☆☆☆

میں سندھ کے مشہور تاریخی شہر ٹھٹھہ میں 7 جولائی **1889**ء کو پیدا ہوا۔ میرا نام جیٹھا نند رکھا گیا۔ میرے والد کا نام لیلا رام تھا۔ ہم لوگوں کی ذات عامل ہے جو سندھ کے ہندوؤں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ یہ لوگ بالعموم تعلیم یافتہ اور سرکاری ملازم ہوتے تھے۔ میرے والد پہلے گورنمنٹ ملازم تھے اور کراچی میونسپل بورڈ میں ملازم ہو گئے تھے۔ وہ نہایت نیک اور مذہبی آدمی تھے اور اکثر مذہبی مجلسیں اور اجتماعات منعقد کرتے تھے جن میں کچھی اور میمن عورتیں خاص طور پر شریک ہوتی تھیں۔ غالباً **1905**ء یا **1906**ء میں میرے باپ فوت ہوئے۔ اس زمانہ میں ٹھٹھہ میں صرف پانچویں انگریزی جماعت تک سرکاری اسکول تھا۔ لہٰذا ٹھٹھہ کی تعلیم ختم کر کے میں کراچی آ گیا اور یہاں کے سرکاری اسکول این۔ جے ہائی سکول میں داخلہ لے لیا۔ اس وقت یہ اسکول اس جگہ تھا جہاں آج کل ڈاؤ میڈیکل کالج ہے۔ میں قریب ہی ٹھٹائی کمپاؤنڈ میں رہنے لگا۔ پہلے یہ وسیع علاقہ تھا اور ٹھل رام وکیل کی ملکیت تھا۔ اس میں زیادہ تر عامل ہندو رہتے تھے جو سرکاری ملازم یا وکیل تھے۔ میرے چچا ٹومل اور چچا زاد بھائی ٹلجا رام بھی یہیں رہتے تھے۔ اس وقت میرے بڑے بھائی گیان چند کراچی میونسپل بورڈ میں ملازم تھے۔ لہٰذا والدہ بھی کراچی آ گئی تھیں۔ میرا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا جس کا نام دادو مل تھا۔

کراچی میونسپل بورڈ میں ایک صاحب مولوی تاج محمد بلوچ بھی ملازم تھے جو نہایت نیک اور بیدار شخص تھے۔ ان سے میرے بھائی گیان چند کے گہرے روابط تھے۔ مولوی صاحب کے

ذریعہ سے میرا بڑا بھائی اسلام سے متعارف ہوا اور آہستہ آہستہ وہ اسلام کی طرف راغب ہو گیا۔
جب میں کراچی آیا تو میرے بھائی نے مجھے بھی آہستہ آہستہ اسلام کی طرف رغبت دلائی اور کچھ دنوں کے بعد مولوی تاج محمد بلوچ صاحب سے متعارف کرا دیا اور میں توحید و رسالت کے مفہوم سے آشنا ہو گیا۔

مولوی تاج محمد صاحب نے مجھے سیل کا ترجمہ قرآن کریم اور بائبل دی تا کہ میں ان کتابوں کا تقابلی مطالعہ کروں۔ میں ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا تا آنکہ اسلام نے میرے دل میں پوری طرح گھر کر لیا۔ اسکول میں ہندو طلبہ سے جب مذہبی مسائل پر گفتگو ہوتی تو میں اسلام کی تائید کرتا، اس لئے ہندو طلبہ نے مجھے بطور طنز و تحقیر مسلا (مسلمان) کہنا شروع کر دیا۔

اتفاق کی بات کہ ایک دن میری میز پر سیل کا ترجمہ قرآن اور بائبل دونوں کتابیں رکھی ہوئی تھیں کہ میرے چچا زاد بھائی آ گئے۔ انہوں نے قرآن کریم کو دیکھ کر کہا کہ یہ کتاب یہاں کیوں رکھی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ پڑھنے کے لئے لایا ہوں۔ اس بات کو انہوں نے پسند نہیں کیا حالانکہ بائبل پر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن وہ ٹھٹک گئے۔ وہ میرے طرز عمل سے پہلے سے ہی پریشان تھے۔

مجھے اس اسکول کے طلبہ کا طرز عمل پسند نہیں آیا اور میں نے یہ اسکول چھوڑ دیا۔ پاکستان چوک کے پاس ہندوؤں کا ایک اسکول تھا اس میں داخلہ لے لیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب وہاں کے طلبہ اور اساتذہ کو میرے متعلق کچھ معلومات ہوئیں تو وہاں بھی سابقہ صورتحال پیش آئی کہ لڑکے اور استاد مجھ پر انگشت نمائی کرنے لگے اور جدھر سے میں گزرتا مجھے ''مسلمان'' کہہ کر آوازے کسے جاتے۔

بالآخر ایک روز میں نے طے کیا کہ یہ بات مناسب نہیں کہ جس عقیدہ اور مذہب کو میں حق سمجھتا ہوں اسے لوگوں کے خوف سے پوشیدہ رکھوں، مجھے علی الاعلان قبول کرنا چاہیے اور ڈرنا نہیں چاہیے جب میں نے اپنے ارادے کا اظہار مولوی تاج محمد صاحب سے کیا تو انہوں نے نہایت مسرت اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اسی روز رات کو میں نے ایک خط اپنے اعزہ کے نام لکھا۔
''میں اسلام کو دین حق سمجھتے ہوئے برضا و رغبت قبول کرتا ہوں۔ اب آپ لوگوں سے جدا ہوتا ہوں۔ میرے پاس تیس روپے ہیں وہ رکھے جاتا ہوں۔ میرے بدن پر جو کپڑے ہیں وہی

میرے لئے پریشان نہ ہوں"۔

یہ تحریر چھوڑ کر میں مولوی تاج محمد صاحب کے پاس آ گیا۔ انہوں نے مجھے حیدرآباد سندھ شیخ عبدالرحیم صاحب کے پاس بھیج دیا۔ جو کانگریس کے سابق صدر جیوت بھگوان داس اچاریہ کرپلانی کے بڑے بھائی تھے، انہوں نے مجھے اپنے پاس رکھا۔

میرے گھر چھوڑنے کے بعد جب میری تحریر میرے تکئے کے نیچے سے برآمد ہوئی تو تمام اعزہ اور رشتہ داروں میں تہلکہ مچ گیا۔ چونکہ ہندوؤں کی عامل برادری سندھ میں بہت بااثر تھی لہٰذا انہوں نے بڑی دوڑ دھوپ کی۔ لوگ تلاش کرتے ہوئے حیدرآباد پہنچے، جس وقت میرے رشتہ دار میرے ٹھکانے پر پہنچے تو میں نماز پڑھ رہا تھا۔

شیخ عبدالرحیم نے مجھے نماز پڑھنے سے روک دیا۔ میں نے فوراً سلام پھیرا۔ انہوں نے اسی وقت مجھے صدر کی مسجد کے پیش امام صاحب کے حجرے میں پہنچا دیا اور میرے رشتہ دار مجھے نہ پا سکے۔

اس کے بعد شیخ عبدلعزیز مالک "الحق" پریس (حیدرآباد سندھ) مجھے لاہور لے گئے اور اسٹیشن کے قریب ایک شاندار ہوٹل میں ٹھہرے، میں نے ان سے کہا یہ تو ہندو ہوٹل ہے اور اگر میرے رشتہ دار یہاں آئے تو ہم کو یہاں آسانی سے پکڑ سکیں گے۔ شیخ صاحب نے جواب دیا کہ فکر نہ کرو۔ اسی لئے میں اس ہوٹل میں ٹھہرا ہوں تاکہ ہمیں فوراً معلوم ہو جائے کہ تعاقب کرنے والوں کے عزائم کیا ہیں؟

اس کے بعد میں لدھیانہ پہنچا اور وہاں شیخ احمد صاحب کے یہاں رہا۔ پھر انہوں نے مجھے ایک مسجد کے حجرے میں رکھا۔ ماحول سے علیحدگی کی وجہ سے یہاں میری طبیعت پریشان ہوئی، میں نے دل میں سوچا کہ آخر میں نے ایسا کیا گناہ کیا ہے کہ جس کی وجہ سے میں چھپا چھپا پھر رہا ہوں، میں نے جو مذہب حق سمجھا وہ اختیار کر لیا، لہٰذا مجھے کراچی واپس جانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے اسی مضمون کا ایک خط مولوی تاج محمد صاحب کو لکھ دیا کہ میں کراچی واپس آ رہا ہوں۔

میں لدھیانہ سے لاہور پہنچا۔ ٹرین میں مجھے لاہور کے رہنے والے ایک صاحب عبدالرحمٰن چشتی مل گئے جن کی انارکلی لاہور میں ترکی ٹوپیوں کی دکان تھی۔ وہ بڑے ملنسار اور بااخلاق شخص تھے۔ جب ان کو میرے حالات کا علم ہوا تو وہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور بڑے آرام سے رکھا۔

دوسرے دن میں کراچی کے لئے روانہ ہوا۔ وہ اسٹیشن پہنچانے آئے۔ میں انٹر کلاس کا
خریدنا چاہتا تھا مگر اتفاق سے میرے پاس تھرڈ کلاس کا کرایہ تھا۔ چشتی صاحب نے فرمایا
تمہارے پاس جس درجے کا کرایہ ہے اسی کا ٹکٹ لے لو۔ چنانچہ میں تیسرے درجے کا ٹکٹ
کر ٹرین میں سوار ہو گیا۔ یہاں ایک لطیفہ غیبی کا ظہور ہوا وہ یہ کہ جب ٹرین جنگ شاہی اسٹیشن
پہنچی تو میں نے دیکھا کہ میرے کئی رشتہ دار کراچی جانے والے ہیں اور وہ سب انٹر کلاس میں
ہوئے۔ اس طرح تھرڈ کلاس میں ہونے کی وجہ سے ان کی گرفت سے بچ گیا۔

کراچی پہنچنے پر میں مولوی تاج محمد صاحب سے ملا۔ انہوں نے مجھے جونا مارکیٹ میں ایک
ہوٹل میں ٹھہرا دیا۔ بعد ازاں یہ مشورہ ہوا کہ میں سول ہسپتال کراچی کے سول سرجن سے اپنے
بلوغ کا سرٹیفکیٹ حاصل کرلوں۔ چنانچہ میں اس سلسلے میں سول سرجن سے ان کے گھر پر ملا
انہوں نے مجھے ہسپتال میں بلایا۔

اندیشہ ناک بات یہ تھی کہ سول ہسپتال، ٹھٹائی کمپاؤنڈ کے سامنے تھا، جہاں میرے تمام
اور برادری کے لوگ رہتے تھے۔ بہر حال میں ہسپتال پہنچا، ابھی سول سرجن سے ملاقات بھی نہیں
ہوئی تھی کہ میرے چچا آ گئے۔ انہوں نے نہایت مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تمہاری ماں
بہت یاد کر رہی ہے۔ میں نے ہوش وحواس قائم رکھے اور کہا کہ بے شک یاد کرتی ہونگی۔ پھر جھٹکا
جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑا لیا اور فوراً بھاگا۔

سول ہسپتال کے دروازے پر وکٹوریہ کھڑی تھی۔ مین اس میں سوار ہو کر جونا مارکیٹ ہوٹل
پہنچا۔ وہاں سے مولانا عبداللہ صاحب کے پاس مدرسہ مظہر العلوم محلّہ کھڈہ پہنچایا گیا۔ اس زمانہ
مین یہ مدرسہ تبلیغ کا مرکز تھا۔ مولانا صاحب نے نہایت شفقت اور محبت کا برتاؤ کیا۔ وہاں میں
ایک مکان میں رہنے لگا۔

مولانا عبداللہ صاحب نے ایک روز فرمایا کہ شیخ صاحب! اگر آپ ختنہ بھی کرالیں تو کیسا
رہے گا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لہٰذا ختنہ ہو گیا۔ اتفاق کی بات کہ خون
نہ صرف کافی مقدار میں خارج ہوا بلکہ دوا اور علاج کے باوجود کئی دن تک بند نہیں ہوا۔

اس صورتحال سے مولانا عبداللہ صاحب بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے
گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں التجا کی یا مولا! یا تو مجھے اٹھا لے یا

کیف کو رفع فرما۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مولانا صاحب کی دعا قبول فرمائی اور خون
در بند ہو گیا۔
میرے اعزہ نے میرے بھائی کی طرف سے عدالت میں مقدمہ درج کرا دیا لہٰذا میری
گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا اور پولیس گرفتاری کی تلاش میں تھی۔ جب مولانا عبداللہ صاحب
کو اس صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے مجھے دوسرے مکان میں منتقل کرا دیا۔
پولیس مولانا صاحب کے پاس آئی اور ان سے استفسار حاصل کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ
شیخ عبدالمجید صاحب یہاں آئے ضرورت تھے اور فلاں مکان میں ٹھہرے تھے اب نہیں معلوم
کہاں ہیں۔
اس کے بعد میں چند روز اور کراچی میں رہا، پھر لاڑکانہ چلا گیا وہاں انگریز کلکٹر تھا۔ اس کے
یہاں میں نے درخواست دی کہ ''میں عاقل و بالغ ہوں اور میں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا
ہے میں آپ کے سامنے اس کا اظہار کرتا ہوں لہٰذا مجھے اس امر کا سٹیفکیٹ مرحمت فرما دیا جائے''۔
حسب ضابطہ کلکٹر نے سٹیفکیٹ جاری کر دیا۔ پھر میں غلام محمد خاں بھرگری کے پاس گیا جو
سندھ کے بڑے زمیندار تھے اور اسی زمانے میں لندن سے بیرسٹری پاس کر کے آئے تھے اور
ان کو تمام صورت حال سے مطلع کیا۔
بھرگری صاحب نے فوراً ایک خط سٹی ڈپٹی کلکٹر کراچی مسٹر وٹل کو لکھا کہ مطلوبہ لڑکا میرے
پاس ہے۔ وٹل نے جواب دیا کہ فلاں تاریخ کو اس لڑکے کو لے کر عدالت میں حاضر ہوں چنانچہ
بھرگری صاحب نے مقررہ تاریخ پر مجھے عدالت پیش کر دیا۔ میرے اعزا کی طرف سے مسٹر ریمنڈ
وکیل تھا جو اس زمانے میں علاقے کا مشہور وکیل تھا۔ مسٹر ریمنڈ نے اس بات پر زور دیا کہ
تا انفصال مقدمہ لڑکا اپنے اعزہ کے پاس رہے جس کے لئے بھرگری صاحب تیار نہیں ہوئے اور
انہوں نے عدالت سے کہا کہ یہ لڑکا میرے پاس رہے گا میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ سندھ کے
بڑے زمیندار اور بیرسٹر تھے، لہٰذا عدالت نے ان کی یہ بات منظور کر لی۔
اس فیصلہ کے خلاف جوڈیشل کمشنر کے یہاں اپیل کی گئی۔ مقدمے کی پیشی پر جوڈیشل کمشنر
نے کہا کہ میں اس لڑکے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا میں ان کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس کی بعد
انہوں نے پوچھا کہ اس کا وارث کون ہے؟ اس کو بھی پیش کیا جائے۔ چنانچہ میرا بھائی بھی جوڈیشل

کمشنر کے سامنے پیش کیا گیا۔ کمشنر نے دیکھ کر کہا کہ عمر کے اعتبار سے کم وبیش دونوں برابر ہیں لہذا اس نے مقدمہ خارج کر دیا اور میں آزاد ہو گیا۔

اس کے بعد میرے اعزہ اور دوسرے رشتہ دار مجھ سے ملے اور چچا زاد بھائی نے پوچھا کہ ''اب کیا صلاح ہے؟''۔

میں نے فوراً جواب دیا ''اب صلاح یہ ہے کہ تم سب بھی مسلمان ہو جاؤ'' یہ سن کر سب لوگ مایوس ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے بعد میں تعلیم کی غرض سے سندھ مدرسہ میں داخل ہوا۔ اتفاق سے ایک روز میرے استاد پرشوتم داس نے کلاس کے تمام طلبہ کو حکم دیا کہ کتابیں ڈیسک کی نیچے زمین پر رکھ دی جائیں۔ طلبہ نے کتابیں نیچے رکھ دیں مگر میں نے نہیں رکھیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کتابیں زمین پر کیوں نہیں رکھیں؟ میں نے کہا کہ کتابوں میں خدا کا نام لکھا ہے لہٰذا زمین پر رکھنا مناسب نہیں ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ افسوس میں معذور ہوں۔ چنانچہ پرشوتم داس نے پرنسپل سے میری شکایت کی۔ پرنسپل نے مجھے بلایا اور کہا کہ پرشوتم داس سے معافی چاہو۔ میں نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مجھے بتایا جائے۔ پرنسپل صاحب نے مجھ سے کہا کہ معافی چاہتے ہو یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میں معذور ہوں۔ لہٰذا میرا نام بورڈنگ ہاؤس سے خارج کر دیا گیا۔

اس زمانے میں شیخ عبدالرحیم صاحب پشاور میں رہتے تھے۔ ان کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے مجھے پشاور بلا لیا اور میری تعلیم کا انتظام کر دیا۔ اس زمانے میں وہاں کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی کے تحت ہوتے تھے اور پنجاب یونیورسٹی کی زبان اردو تھی۔ میں اتنی اردو نہیں جانتا تھا لہٰذا انگریزی سے اردو ترجمہ کے پرچہ میں ناکام ہو گیا۔

میں پھر سندھ مدرسہ کراچی آیا۔ پرنسپل نے فیصلہ کن انداز میں کہا کہ اگر تم پرشوتم داس سے معافی چاہو تو تمہیں داخلہ مل سکتا ہے۔ میں نے فوراً ان سے معافی چاہی اور 1910ء میں میٹرک پاس کر لیا۔

عشق کے ہیں نئے نئے انداز

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

گھر کا دروازہ بند ہے۔ صاحب خانہ، اس کی بیوی اور فرزند بیٹھے ہیں باہر سے جانی پہچانی
آواز آتی ہے:

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

سلام کرنے والا جواب نہیں سنتا۔ صاحب خانہ نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔ وہ سلام
کرنے والے کو اپنے جواب کی آواز سنانا نہیں چاہتا تھا۔ اتنے میں ایک بار پھر وہی دلکش آواز
آئی:

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

جواب پھر نہیں سنائی دیا۔ اس کے بعد ایک بار پھر وہی دعائے سلامتی کی حسین آواز آئی:

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

جواب پھر بھی نہیں سنائی دیا۔ سلام کرنے والا تین بار جواب نہ پاکر الٹے پاؤں واپس ہونے
لگا۔ اس کا معمول یہی تھا کہ تین آوازوں کے بعد بھی جواب نہ آتا تو واپس ہو جاتا۔ وہ اپنے
معمول کے مطابق واپس ہونے لگا مگر اندر صاحب خانہ کا فرزند کچھ تعجب اور کچھ خفگی سے ملی جلی
آواز میں بول اٹھا:

"ابا جان آپ یہ آواز نہیں پہچانتے؟ یہ کون سلام کر رہا ہے۔ آپ خاموش بیٹھے ہیں اور اندر
نہیں بلاتے؟"

فرزند کا اعتراض بالکل بجا تھا۔ جانے پہچانے آدمی کے سلام کا جواب دینا اور اسے اندر بلانا
اخلاقی فرض ہے۔ سلام کرنے والا جتنی بلند شخصیت ہوگی، اس سے بے رخی برتنے والا اتنا ہی
بد گستاخ، بے ادب اور بدتمیز تصور کیا جائیگا۔ پھر ایک بار نہیں تین تین بار۔ سہواً یا غفلتاً نہیں،
بلکہ جان بوجھ کر عمداً وقصداً۔ فرزند نے باپ سے کوئی بے جا سوال نہ کیا تھا، کوئی غلط اعتراض نہ کیا تھا،
قربان جائیے اس انوکھے باپ کے۔ بیٹے کے اعتراض کے جواب میں کچھ کہا اور تیزی سے
باہر آیا۔ سلام کرنے والے نے ابھی چند ہی قدم کا فاصلہ طے کیا تھا، صاحب خانہ دوڑ کر اس سے
لپٹ گیا اس کے نورانی جسم کو بار بار چوما اور کہنے لگا۔

"حضور پر میرے ماں باپ صدقے میں سلام کا جواب نہایت دھیمی آواز میں دے رہا تھا۔
خواہش تھی کہ تیری پاکیزہ زبان سے بار بار ہمارے لئے سلامتی کی دعا..... السلام علیکم نکلے"۔

صاحب خانہ کی اس ادا پر کائنات کا ایک ایک ذرہ وجد میں آ گیا۔ عمل بظاہر جتنا زیادہ
اور ناپسندیدہ تھا، نیت اتنی ہی پاکیزہ اور بلند تھی۔ نیت حسین ہو، تو فعل قبیح بھی پیکر حسن بن جاتا
ہے۔ آنے والے کو صاحب خانہ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے ایک بار پھر سلامتی کی دعا دی اور
اس کے ساتھ اندر واپس آ گیا۔ یہ صاحب خانہ حضرت سعدؓ تھے اور یہ سلامتی کی دعا کرنے والا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆

صحن مسجد میں مجمع کسی کا منتظر ہے اس لئے کہ مخبر صادق نے جبریلؑ کی زبانی یہ اطلاع دی
ہے کہ "اللہ کا مہمان آنے والا ہے"۔ تمام اہل مجلس کی نظریں کبھی دروازے کی طرف اور کبھی خبر
دینے والے کے روشن چہرے کی طرف اٹھتی تھیں۔

یکایک ایک نوجوان آتا دکھائی دیا۔ پریشان حال، پریشان بال، اس کی ساری کائنات
کمبل کے دو ٹکڑے تھے۔ ایک بدن پوشی کا کام دے رہا تھا اور دوسرا ستر پوشی کا۔

مخبر صادق نے اٹھ کر استقبال کیا اور گلے سے لگایا۔ اس کے بعد وہ چبوترے والوں
(اصحاب صفہ) میں داخل ہو گیا۔ کچھ محنت مزدوری کرتا اور باقی سارا وقت دین سیکھنے میں لگا دیتا۔

اس کا باپ مر چکا تھا۔ چچا اس کا ولی تھا اور شقاوت میں ابوجہل سے بھی آگے تھا۔ اس کا سارا
ترکہ اس کے چچا کے قبضے میں تھا۔ اس نوجوان نے کہیں ایک دن یہ کہہ دیا: "چچا جان میں اپنے
دل میں فرزند عبداللہ سے ملنے کا اشتیاق محسوس کر رہا ہوں"۔ اس شوق کا ظاہر ہونا تھا کہ ظالم چچا
نے کھجور کی سنٹی سے خبر لینی شروع کی۔ اتنا مارا کہ بدن پر بدھیاں پڑ گئیں۔ کپڑے چھین لئے اور
وہ برہنگی کی حالت میں ماں کے پاس پہنچا۔ اس نے رحم کھا کر ایک کمبل کے دو ٹکڑے جسم پوشی اور
پوشی کے لئے دے دیئے۔ اسی حالت میں منزلیں طے کرتا ہوا وہ منزل مقصود پر آ گیا اور اصحاب
صفہ میں داخل ہو گیا۔

اسے قرآن سے عشق تھا۔ اکثر بلند آواز میں قرآن پڑھا کرتا۔ بعض لوگوں کو یہ ناگوار بھی
گزرتا، مگر وہ خاموش رہتے۔ فرزند خطاب نے اسے کئی بار سمجھایا کہ صاحبزادے! تمہاری قرات
سے دوسروں کو خلل پہنچتا ہے۔ لہٰذا آواز کو ذرا پست رکھا کرو۔ نوخیز نوجوان نے اس نصیحت کی
طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا اور اپنے ذوق وشوق سے لگا رہا۔

فرزند خطاب کو ایک بار غصہ آیا۔ ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے ہاتھ پکڑ لیا اور آواز
آئی:

"اے کچھ نہ کہو۔ یہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا کر آیا ہے"۔
اس دن کے بعد سے ابن خطاب نے اسے کچھ کہنے کی پھر کبھی کوئی جرات نہ کی۔
اس نوخیز نے ایک دن اپنی تمنا کا اظہار یوں کیا:
"میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی آرزو رکھتا ہوں"۔

جواب ملا:
"اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکل کھڑے ہو اور راستے میں کسی وجہ سے موت
آجائے۔ تو یہ بھی عین شہادت ہی کی موت ہوگی"۔
یہ جملے مخبر صادق کی زبان اقدس سے بلا وجہ نہ نکلے تھے۔ جلد ہی تبوک کا معرکہ پیش آ گیا۔
مجاہدین کا قافلہ مدینے سے روانہ ہوا۔ یہ نوجوان راستے ہی میں بیمار ہوا۔ تیز بخار کا حملہ تھا، جاں
بر نہ ہوسکا، مگر یہ عجیب موت تھی کہ زندگیاں اس پر قربان ہو رہی تھیں۔ مقصود کائنات سرہالین
موجود تھا۔ مرنے والے کی نظریں چہرہ اقدس پر جمی ہوئی تھیں۔ ساکنان حریم قدس عالم وجد میں
گویا یوں کہہ رہے تھے:

به چه ناز رفته باشد ز جهاں نیاز مندے
که بوقت جاں سپردن به سرش رسیده باشی

موت کی آخری ہچکی سے پہلے اس نے بھر پور نظروں سے چہرہ انور کو دیکھا اور آنکھوں کے
پردے میں تصویر لیکر ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں۔

آ پیارے نین میں پلک تو ہے موند لوں
نا میں دیکھوں اور کو نہ تو ہے دیکھن دوں

جس کسی نے یہ منظر دیکھا یا سنا، یا آئندہ کبھی سنے گا وہ زبان حال سے کہتا رہے گا:

منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن
برخ تو دیده باشم تو درون دیده باشی

ان کے کفن کے لئے حاصل کائنات ؐ نے اپنی نورانی چادر عنایت فرمائی یہ عشق کا مارا برہنہ کر
کے گھر سے نکالا گیا تھا، اس لئے اس منفرد قسم کے کفن کا بھی یہی حق دار ہو سکتا تھا۔ اس کی قبر ان
نایاب روزگار بزرگوں نے کھودی جن کے قدموں سے اپنی آنکھیں ملنا حوران بہشت کے لئے
باعث فخر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو **کنتم خیر امة** کے اولین مخاطب ہیں۔ رات ہو چکی
تھی۔ مشعل اس کے ہاتھ میں تھی جو مسجد نبوی کا سب سے پیارا موذن تھا اور جس کی استقامت

نے چار دانگ عالم میں ندائے حق کی مشعل روشن کی اور جسے فاروق ''سیدنا'' فرما کر مخاطب کرتا تھا۔ قبر تیار ہوئی تو سید الکونینؐ پہلے خود اتر کر لیٹ گئے پھر اٹھ کر کہا: ''لاؤ اپنے بھائی کو''۔ صدیقؓ و فاروقؓ سہارا دے کر اسے اتارنے لگے تو سید الکونینؐ بولے: **ادباً الی اخیکما** اپنے اس بھائی کا ادب ملحوظ رہے۔ پھر خود اسے دونوں ہاتھوں کے سہارے اس طرح گود میں لیا جیسے کوئی اپنی چہیتی اولاد کو لیتا ہے۔ اسے زمین پر لٹا کر پیشانی چومی اور فرمایا:

''محمدؐ آج شام تک اس سے راضی رہا ہے۔ بارالہا! تو بھی اس سے راضی رہنا''۔

آج کائنات کا ذرہ ذرہ اس شہید ناز کی موت پر رشک کر رہا تھا۔ خطاب کا جایا اور مسعود کا فرزند موجود تھے اور دونوں کی آنکھوں سے اشک رشک جاری تھے اور وہ کہہ رہے تھے: ''اے کاش اس میت کی بجائے ہم ہوتے''۔

☆☆☆

چار کوس کے فاصلے پر میدان کارزار گرم تھا۔ ہند اپنے گھر بیٹھی ہے مگر کوئی چیز اسے اندر سے بے چین کر رہی ہے۔ شاید اسے اپنے قریب ترین رشتے دار مجاہدوں کی فکر ستا رہی ہے۔ اسے یہ شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں وہ مارے نہ گئے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سب کے صحیح سلامت واپس آنے کی دعائیں مانگ رہی ہے۔ کیوں نہ ہو؟ شوہر سے اس کا سہاگ قائم ہے۔ فرزند جگر کا ٹکڑا ہے اور بھائی سب سے بڑا قوت بازو ہے۔ یہ تینوں میدان جنگ میں گئے ہوئے ہیں۔ اگر ان کی ہند کو بے چین کئے ہوئے ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تھوڑی دیر میں ایک قاصد آ کر خبر دیتا ہے:

''مائی تیرا سہاگ لٹ گیا''۔

ہند نے اس خبر کو اس طرح سنا جیسے کوئی بات ہی نہیں اس نے کہا: **اچھا انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ زندگی کا کامیاب ترین مقصد شہادت کی موت ہے۔ ذرا دیر بعد ایک شخص نے اطلاع دی:

''نیک بخت! آہ تیری آنکھوں کا نور اب اس دنیا میں نہیں رہا''۔

اس نیک بخت خاتون نے یہ خبر بھی کچھ ایسے کانوں سے سنی جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ زبان سے صرف **انا للہ وانا الیہ راجعون** نکلا اور چہرے پر گویا مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی کہ میرے بیٹے کی زندگی کام آئی اور کامیاب رہی۔

ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ ایک خبر دینے والے نے یہ خبر بھی دی کہ:

"افسوس تیرا قوت بازو بھائی جنگ میں کام آ گیا"۔
ہند نے سن کر **انا لله الخ** پڑھا اور کہا:
"الحمد للہ وہ بھی راہ حق میں کام آ گیا"۔
اب کوئی اور نہ تھا جس کے متعلق اسے کچھ سننے کا انتظار ہوتا۔ وہ اپنے کاموں میں اس طرح
لگ گئی جیسے کوئی اخبار کی معمولی خبریں پڑھ کر لگ جاتا ہے۔ ان تمام خبروں کو اس نے اس طرح سنا
جیسے وہ بڑی کامیابیوں کی خوش خبری [illegible] ہو۔
اتنے میں ایک غلط افواہ اس انصار خاتون کے کانوں میں پہنچی جسے سن کر وہ برداشت نہ کر
سکی، شاید یہ کسی ایسے شخص کی شہادت کی افواہ تھی جو اسے بہت پیارا تھا۔ بھائی سے، فرزند سے اور
شوہر سے، بلکہ ساری کائنات سے بہت پیارا یہ خبر سن کر وہ بے تاب ہوگئی۔ حجاب اور خانہ نشینی کی
ساری زنجیریں توڑ کر باہر نکل آئی اور بے تابانہ میدان جنگ کی طرف دوڑی۔ پہچاننے والوں
نے اسے پہچان لیا۔ سمجھ گئے کہ اپنے مقتولوں کو دیکھنے آئی ہے۔ کسی نے کہا:
"نیک بخت! یہ ہے بے گور و کفن لاشہ تیرے خاوند کا جس سے تیرا سہاگ قائم تھا"۔
میں اسے پوچھنے نہیں آئی۔
"ارے دیکھ یہ ہے تیرا لخت جگر نور نظر خاک وخوں میں غلطاں"۔
بخدا اسے دیکھنے نہیں آئی۔
"تو کدھر جا رہی ہے؟ تیرا چاہنے والا بھائی یہ خاک وخون کی چادر میں لپٹا پڑا ہے"۔
خدا کی قسم اس کی خبر لینے نہیں آئی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ میرا گوہر مقصود کہاں اور کس حال میں
ہے؟
وہ بے تابی کے ساتھ مجمعوں کو پھاڑتی، صفوں کو چیرتی چلی گئی۔ اس نے دیکھا حاصل کونین
یہاں مگر زندہ سلامت بیٹھے ہیں۔ اور انوار قدس اس کے مطمئن چہرے پر نچھاور ہو رہے ہیں۔
دیکھتے ہی اس کی مردہ تمناؤں میں جان آ گئی۔ اچھل پڑی مسکرانے لگی اور اس کے تبسم سے
کائنات کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس کی زبان سے ایک ایسا جملہ نکلا جو عشق ومحبت، اخلاص
ایمان اور بلاغت وفصاحت کی دنیا میں اس طرح نمایاں ہوگیا جس طرح سنگریزوں میں نگینہ
نمایاں ہو کر چمکتا ہے۔ اس نے کہا:
كل مصيبة بعدك جلل يارسول الله
"حضور ﷺ کو دیکھنے کے بعد اب میرے سارے دکھ دور ہو گئے"۔

☆☆☆☆

آج کون اپنی جانثاری کا عملی ثبوت بہم پہنچائے گا؟

یہ غلام حاضر ہے۔

"اچھا جاؤ فی امان اللہ"۔

یزید بن سکن کا فرزند عمارہؓ پروانہ وار روانہ ہوگیا۔ اس کا بے تابانہ شوق دیکھ کر پانچ اور انصاری بھی ساتھ ہو گئے۔ وہ شوق شہادت میں اتنے بے تاب ہو رہے تھے کہ دشمن کی صفیں الٹتے ہوئے خود بھی غائب ہو گئے اور ہر ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا اور پھر کبھی کسی نے دوسرے کو نہ دیکھا۔ ادھر حکم ہوا کہ دیکھو عمارہؓ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ حکم سنتے ہی کئی جاں نثار عمارہؓ کی تلاش میں نکلے۔ عمارہؓ ایک جگہ لاشوں کے ڈھیر میں بے حس وحرکت ملے۔ لوگ انہیں لاد کر خدمت اقدس میں لے آئے۔ عمارہؓ کی آنکھیں بند تھیں اور کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا کہ ان کی سانس اپنی آمد و شد کی آخری تعداد پوری کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ رمق جاں بصورت نفس چند باقی تھی۔ عمارہ کا جسد بے حرکت لا کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ قوت شامہ نے کچھ مانوس خوشبو محسوس کی اور عمارہؓ نے آنکھیں کھولیں، جمال قدس پر نظر پڑی، تو روح میں عجیب تازگی پیدا ہوگئی۔ جسم نے ایک آخری پھریری لی۔ انتہائی ناتوانی کے باوجود جسم میں ایک پھڑکن پیدا ہوئی۔ وہ بے تابی سے اس طرح تڑپا جس طرح نیم جاں مچھلی پانی کو دیکھ کر تڑپتی ہے۔ اس نے کلمہ شہادت ادا کرتے ہوئے اپنی پوری قوت سے لیٹے لیٹے ہی جست لگائی اور اس طرح بل کھا کر اچھلا کہ اس کا رخسارہ قدم مبارک پر تھا اور یہ اس جسد کی آخری حرکت تھی۔ جنت بہت بڑا انعام ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن عمارہؓ کو موت سے ایک لمحہ پہلے جو جنت ملی ہے، اس پر کتنی جنتیں قربان ہیں۔

سر بوقت ذبح اپنا ان کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ہم کہاں سے بھٹکے

کے ایم اعظم

ہندوستان کے نومنتخب سکھ وزیراعظم، من موہن سنگھ ایک طرف تو قابل رشک تعلیمی پس منظر رکھتے ہیں۔ دوسری طرف وہ نہایت ہی دیانتدار شخص ہیں، جن کا دل ہر قسم کے دنیاوی طمع و لالچ سے پاک وصاف ہے۔ وہ بہت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک وقت میں سفید کھدر کے تین جوڑوں سے زیادہ کپڑے نہیں ہوتے۔ وہ دلوں کو موہ لینے والی منکسر المزاج شخصیت ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان کے مسلمان وزرائے اعظم بہت بڑے جاگیردار یا سرمایہ دار ہونے کے باوجود اپنے دلوں سے زر، زن اور زمین کی ہوس نہیں نکال سکے۔ آج کل بھی ہمارے ایوان ہائے اقتدار میں آمدورفت رکھنے والے یا تو مال دار لوگ ہیں یا پھر خوبصورت چہرے والیاں۔ سوال یہ ابھرتا ہے کہ دین قیم کی روشن ہدایات اور خلافت راشدہ کی درخشاں مثالیں رکھنے کے باوجود ہم گذشتہ ستاون سالوں میں موہن سنگھ جیسا ایک بھی وزیراعظم پیدا نہ کر پائے۔ اگر ہم سیاست کے میدان میں ایسا نہیں کر پائے تو کیا، دینی جماعتوں یا تحریکوں میں ایسا کر پائیں گے؟ اس انحطاط کی وجہ ہمارا دین نہیں، ہم خود ہیں اور ہم کیوں ہیں؟ اس کا مثبت جواب اس کالم کی صورت میں پیش خدمت ہے۔

ہندوستان کے فرنگی عہد میں بھی مسلمان کردار کے معاملے میں اپنے ہندو ہم وطنوں سے کم کھاتے تھے۔ غریب مسلمان حال مست تھے اور مسلمان امراء مال مست۔ ہندو امراء کا پیسہ بچوں کی تعلیم، اپنے کاروبار کے فروغ اور خیراتی کاموں پر صرف ہوتا تھا جبکہ مسلمان امراء کا زیادہ تر پیسہ اسراف اور رنگ رلیوں پر خرچ ہوتا تھا۔ پنجابی زبان کے کئی نازیبا محاورے اس صورت حال کی تصدیق کرتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں میں بے لوث قیادت کے فقدان کا رونا ہمارے فرنگی حکمرانوں نے بھی رویا تھا۔ متحدہ پنجاب کے آخری گورنر، جینکنز کے بقول ہر مسلمان کی ایک قیمت تھی جبکہ ہندو ناقابل خرید تھے اور سکھ کسی گنتی میں نہیں تھے۔ حکومت مغربی پاکستان کے محکمہ اسلامی تعمیر نو کے نو مسلم ڈائریکٹر، علامہ محمد اسد نے ''مسلمانوں کے نام'' سات خطبات میں جو ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوئے تھے، مسلمانوں کی معاشرتی زبوں حالی اور اخلاقی گراوٹ کی جیتی جاگتی تصویر پیش

کی ہے، اس وقت کے کئی نامور صحافیوں اور قلمکاروں نے بھی کچھ ایسا ہی نقشہ کھینچا تھا۔ اس سے زیادہ کردار کی گراوٹ اور کیا ہوگی کہ کئی مسلمانوں کی جانیں بچانے کے لئے جو اسلحہ لاہور سے مشرقی پنجاب بھیجا گیا تھا، وہ کئی جگہ ہندو بلوائیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مسلمانوں نے ہندوستان پر اسی طرح کے گرے ہوئے کردار کے ساتھ آٹھ سو سال حکومت کی تھی۔ نہیں، بالکل نہیں۔ ایک طرف بقول علامہ اقبال "شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے" (خطبہ الہ آباد) دوسری طرف مسلمان حکمران اتنے وسیع و عریض ملک میں آٹھ سو سال تک ایک ایسا کثیر النسل و عقیدہ معاشرہ Plural Society قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے، جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ ہندوستان میں اپنی کثیر التعداد رعایا کے ساتھ مسلمان حکمرانوں کا میل جول عدل وانصاف، میانہ روی، رواداری اور مروت و شفقت پر مبنی تھا اور ہندو ان کے مداح اور قدردان تھے بلکہ ان پر دل و جان سے فدا تھے۔ مسلمانوں کی حکومت کے دو واضح اصول مذہبی آزادی اور معاشرتی انصاف تھے۔ مسلمان حکمرانوں کا قانونی انصاف اس قدر سخت گیر تھا کہ اس کے تعاقب میں مسلمان شہزادوں تک کی گردنیں اڑانے سے گریز نہیں کیا جاتا تھا۔ ایسے انصاف کے پس منظر میں ہندو سپاہی اور سپہ سالار مسلمانوں کی طرف سے ہندو راجاؤں کے خلاف بے مثال جانفشانی اور دلیری سے لڑتے۔ محمود غزنوی سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک مسلمان بادشاہوں کے نمایاں سپہ سالار راجپوت مہاراجے ہوتے تھے۔ بقول ڈاکٹر تاراچند "مسلمان بلند مرتبہ لوگ تھے، جنہوں نے تمدنی طور پر ہندوستان کی تہذیب پر نمایاں اثرات مرتب کئے۔ ہندوستان کے مسلم دور میں ہندی مسلم معاشرے نے ایک خوش نما شکل اختیار کر لی جس کا دارومدار اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی پر تھا۔ اس معاشرہ کی تشکیل میں مسلم سول سوسائٹی نے جس کے روح رواں مسلمان عالم فقیہ، فلسفی، صوفی، عارف، شاعر اور ہنرمند تھے، مرکزی کردار ادا کیا۔ چنانچہ ہندوستان میں اسلامی ریاست کے استحکام میں علماء اور صوفیاء کرام کے سیاسی رول میں ایک ہزار سال کا تسلسل ہے"۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام "مسلمان حکمرانوں نے جو ہندو مسلم معاشرہ صلح و آشتی اور محبت و مروت کی اساس پر قائم کیا، اس کی بنیادیں تھیں۔ ایک مسلم فاتحین کی عسکری قوت دوسری ان کی اخلاقی قوت"۔

یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اگر ہندی مسلمان ایسے شاندار ماضی کے وارث تھے تو پھر وہ انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہوتے ہی اتنی سرعت کے ساتھ اخلاقی گراوٹ کا شکار کیوں ہوگئے؟ برنارڈ لوئس کی زبان میں لوگ ہم سے پوچھ سکتے ہیں کہ What Went Wrong? یعنی ہم کہاں سے بھٹک گئے؟

آج کل اس سوال کا جواب دینا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ اس کا جواب ڈرامائی انداز میں ہماری آنکھوں کے سامنے دیا جا رہا ہے اور سٹیج بلد الانبیاء، عراق ہے۔ عراقی مجاہدین اور وطن کے جانثار امریکی دشمنوں سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ اپنے ان ہم وطن عراقیوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں، جو امریکی قابض افواج سے تعاون کر رہے ہیں۔ تاریخ عالم قابض دشمن سے ہر قسم کے تعاون کو ایک گھناؤنا جرم قرار دیتی ہے۔ آزادی وطن کے لئے لڑ مرنے والوں کی نظر میں دشمن کی مخبری سے بڑا جرم کوئی نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس کی وشی حکومت کے تمام ہمدردوں کو ایک ایک کر کے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں باکردار مجاہدین فرنگیوں کی توپوں سے ٹکرا گئے یا پھر تختہ دار پر لٹک گئے۔ جو باقی بچے انہیں حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ گویا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ایک ایسا سانحہ تھا، جس میں سے ہندوستان کے مسلمانوں کی بے لوث، باکردار قیادت کا خاتمہ ہو گیا۔ ابن خلدون کے خیال میں اگر ایک قوم مفتوح ہو کر فاتح کے انداز اپنا لے تو مردہ ہو جاتی ہے۔ جب کہ سر ونسٹن چرچل رقمطراز ہیں کہ جب کوئی مفتوح قوم اپنے فاتح کے تمدن کو اپنا لیتی ہے تو درحقیقت وہ اپنی غلامی کی بنیادیں راسخ کرتی ہے۔ قومیں دوسروں کی نقالی کر کے ذلیل و خوار ہو جاتی ہیں۔

میرے لئے یہ بات المیہ سے کم نہ تھی کہ اسلام آباد کی سارک کانفرس میں جب اٹل بہاری واجپائی نے اپنی تقریر میں ان جانثاروں کی طرف اشارہ کیا تو دوسری طرف سمجھنے والا کوئی نہ تھا کیونکہ ان میں زیادہ تر دشمن کے حامیوں کی اولاد تھے، جن کی ساری کائنات فرنگی حکمرانوں کو سلیوٹ مارنے کے گرد گھومتی تھی۔ مزید حیرت اس بات پر ہے کہ ہم اب تک علامہ اقبالؒ کے انقلابی فکر کو سر سید احمد خان کے فرنگی نواز فکر سے آلودہ کرنے سے باز نہیں آئے۔

اسلامی تمدن سے جدید سائنس کی ابتداء

ہارون یحییٰ

مغربی سائنس کا توحید پرستانہ آغاز

قرون وسطیٰ کے یورپ پر کلیسا کی زبردست اجارہ داری تھی۔ کلیسا نے سوچ کی آزادی کو قید کیا اور سائنس دانوں پر دباؤ ڈالتا رہا۔ مختلف عقائد اور خیالات رکھنے پر لوگوں کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ ان کی کتابوں کو جلا کر انہیں ملک بدر یا قید کر لیا جاتا تھا۔ تاریخی کتابیں بھی اس ذکر سے خالی نہیں کہ اس دور میں تحقیقی عمل پر کس قدر پابندیاں عائد تھیں۔ بعض لوگوں نے اس صورتحال کی غلط تصویر پیش کرتے ہوئے کہا کہ جن باہمت سائنس دانوں نے کلیسا سے ٹکر لی وہ مذہب کے خلاف تھے۔

سچائی اس کے برعکس ہے۔ جن سائنس دانوں نے چرچ کے اس رویے پر تنقید کی وہ مذہبی رجحان رکھتے تھے۔ وہ مذہب کے ہرگز خلاف نہ تھے بلکہ ان رویوں کے مخالف تھے جو مذہب کے نام پر روا رکھے جاتے تھے۔

اس کی دلچسپ مثال گیلیلیو کے ان الفاظ میں ملتی ہے جب اس نے کہا تھا کہ زمین گردش کرتی ہے اور اس کے بعد مذہب اسے سزا دینے کے درپے ہو گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ "خدا رحیم ہے اور میں اس کے بے انتہا شکر گزار ہوں کہ وہ سچائیاں جو کئی صدیوں سے پردہ اخفا میں تھیں، اس نے مجھ اکیلے پر ظاہر کر دیں"۔ اسی طرح کئی سائنس دان اور بھی ہیں جو بے حد مذہبی تھے۔

کیپلر، جسے جدید فلکیات کا بانی بھی کہا جا سکتا ہے، اس سے لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیوں خود کو سائنس میں اتنا مصروف رکھتا ہے؟ اس کا جواب تھا "میں ایک مذہبی رہنما بننا چاہتا تھا.... لیکن اب میں اپنی کوشش سے دیکھ رہا ہوں کہ خدا نے کس طرح فلکیات کو عظمت بخشی ہے۔ آسمان خدا کی عظمت کو ظاہر کر رہے ہیں"۔

نیوٹن جو کسی تعارف کا محتاج نہیں، تاریخ کا عظیم دماغ گزرا ہے۔ وہ اپنی سائنسی جدوجہد کی وجوہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے "وہ (خدا) لامحدود اور ہمیشہ ہے۔ وہ بہت طاقتور اور قادر ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے۔ وہ لامحدود سے لامحدود تک موجود رہے گا۔ وہ سب پر حکومت کرتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ ہم صرف اس کی بنائی ہوئی اعلیٰ اشیاء کی تدبیر پر غور کر کے ہی اسے پہچان سکتے ہیں..... ہمیں اس کا حکم ماننا چاہیے۔ ہم اس کے غلام ہیں"۔

پھر جدید ریاضی کا باوا آدم اور فطین پاسکل بھی کہتا ہے: "ایمان کے ذریعے ہم اس (خدا) کے وجود کو جانتے ہیں۔ اس کی فطرت میں اس کی عظمت دیکھ سکتے ہیں"۔

جدید مغربی سائنس کے کئی مفکرین بلکہ کئی علوم کے بانی سائنس داں بھی خدا پر پختہ یقین رکھتے تھے مثلاً:
☆ تھرمامیٹر کے موجد اور جدید کیمیا کے ایک اہم نام ان ہیلمونٹ نے کہا کہ سائنس ایمان کا ایک حصہ ہے۔
☆ جدید رکازیات کے بانی جارج ریکوویئر کے مطابق رکازات تخلیق کے زندہ ثبوت ہیں اور تمام جاندار انواع کو خدا نے تخلیق کیا ہے۔
☆ جانداروں کی سائنسی درجہ بندی کا بانی کارل لینئس تخلیق کے عمل پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے ارتقاء کے تمام نظریات کی مخالفت کی تھیں خواہ وہ ڈارونزم ہو یا پھر لیمارکزم۔
☆ خرد حیاتیات کا ایک اہم نام لوئی پاسچر کہتا ہے کہ محض مادے سے زندگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ زندگی تو خدا کا معجزہ ہے۔
☆ جرمن ماہر طبیعیات میکس پلانک نے کہا کہ خدا ہی کائنات کا خالق ہے اور اس نے زور دیا کہ ایمان ہر سائنس داں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔
☆ بیسویں صدی کے عظیم سائنس دان البرٹ آئن سٹائن کو یقین تھا کہ سائنس بے خدا نہیں ہے یعنی اس کا مشہور قول ہے ''سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی ہے''۔
جدید سائنس کو آگے بڑھانے والے کئی سائنس داں مذہبی تھے۔ وہ خدا پرست تھے انہوں نے کائنات کو خدا کی تخلیق گردانتے ہوئے سائنس کی خدمت کی تھی۔ یہی وہ طرز فکر ہے جو سب سے پہلے اسلامی دنیا میں پیدا ہوا اور بعد ازاں مغرب منتقل ہوا۔ یہ تمام خدا پرست سائنس داں زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور کرتے رہے تا کہ خدا سے آگاہ ہوسکیں۔ سائنس بالخصوص جدید سائنس کا ظہور اسی آگہی اور طرز فکر کا نتیجہ ہے۔ پھر انیسویں صدی میں اس شعور کی جگہ غلط اعتقادات نے لے لی جنہیں ہم ''مادہ پرستی'' کہتے ہیں۔

مادہ پرستی کی جانب جھکاؤ کا عروج اور زوال

انیسویں صدی کا دور گواہ ہے کہ اسی عہد میں انسانی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی کی گئی تھی۔ یہ غلط تصورات اس وقت وجود میں آئے جب یورپی فکر پر مادہ پرستی کا فلسفہ حاوی ہوگیا۔ جو دراصل قدیم یونانی فلسفہ تھا۔
ان میں سب سے بڑی غلطی ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہے۔ ڈارونزم کی پیدائش سے پہلے حیاتیات کو سائنس کی اس شاخ کا درجہ حاصل تھا جو خدا کے وجود کے ثبوت فراہم کرتی تھی۔ ممتاز مصنف ولیم پیلے نے اپنی کتاب ''نیچرل تھیولوجی'' میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ایک سادہ

مثال دیتا ہے کہ گھڑی دیکھ کر ہمیں خیال آتا ہے کہ اسے کسی گھڑی ساز نے تخلیق کیا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ فطرت کے ڈیزائن اور نقش بھی اسی عظیم خدا کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

لیکن ڈارون نے نظریہ ارتقاء میں اس حقیقت کو جھٹلایا۔ اس نے سچائی کو بگاڑ کر مادہ پرستی کے فریم میں جڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا اصرار تھا کہ تمام جاندار انواع محض اندھے اتفاقات اور حادثات سے وجود میں آئی ہیں۔ یوں اس نے مذہب اور سائنس کے بیچ ایک مصنوعی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ انگریز مصنفین مائیکل بیجنٹ، رچرڈ لی اور ہنری لنکن اپنی تصنیف "دی میسانک لیگیسی" میں رقمطراز ہیں:

"ڈارون سے ڈیڑھ صدی قبل آئزک نیوٹن کے عہد تک سائنس مذہب سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ مذہب کا ایک جزو تصور کی جاتی تھی۔ اس کے ماتحت تھی.... لیکن سائنس، ڈارون کے دور میں اس (مذہب) سے الگ ہوگئی، یوں وہ مذہب کی مخالف اور متبادل تصویر کے طور پر ظاہر ہوئی۔ اس کے نتیجے میں مذہب اور سائنس نہ صرف الگ ہوئے بلکہ ایک دوسرے کے مخالف آن کھڑے ہوئے۔ اب انسانیت کو مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ ان دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے"۔

نہ صرف حیاتیات، بلکہ سائنس کی دیگر شاخوں مثلاً عمرانیات اور نفسیات کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ ان کو بھی توڑ مروڑ کر مادہ پرستی کے مطابق بیان کرنے کی کوشش کی گئی۔ فلکیات کی بھی شکل بدل کر اسے قدیم ملحد یونانیوں کے افکار میں ڈھالا گیا ہے جو "ابدی کائنات" کا مابعد الطبیعیاتی ایمان تھا۔ اب یہی فکر عام ہوچکی ہے۔ سائنس کا اب نیا ہدف یہی رہ گیا ہے کہ وہ مادہ پرست فلسفے کی تصدیق کرتی رہے۔ انہی غلط تصورات نے گزشتہ 150 برس سے سائنس کو ایک بند گلی میں پہنچادیا ہے۔ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن۔ مختلف شعبوں سے وابستہ ہزاروں لاکھوں سائنس داں صرف اسی امید پر کام کررہے ہیں کہ وہ ڈارونزم اور دیگر مادہ پرستانہ نظریات کو درست ثابت کردیں اور بس.... لیکن انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

نئی سائنسی دریافتیں اس کے بالکل برعکس نتائج دے رہی ہیں جو وہ چاہتے ہیں۔ مثلاً وہ تخلیق کے عمل کی تصدیق کرتی ہیں۔ آج سائنس کی دنیا یہ جان کر حیران ہے۔ جب فطرت کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایک پیچیدہ نظام، ایک حسن اور ترتیب ہمارے منتظر ہوتے ہیں۔ اس کی ہر تفصیل اور دریافت نے مادہ پرستی کے فلسفے کی جڑیں کاٹنا شروع کردی ہیں۔

مثال کے طور پر ڈی این اے کی غیر معمولی ساخت نے سائنس دانوں پر ظاہر کردیا ہے کہ یہ اندھے اتفاقات اور قدرتی قوانین کا نتیجہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک انسانی خلیے کے ڈی این

ہے میں اتنی معلومات موجود ہوتی ہیں کہ وہ انسائیکلوپیڈیا کی 900 جلدوں میں سما جائے۔ انسانی
جینوم کی نقشہ کشی کرنے والے اہم ترین ادارے سیلیر اجینومکس سے وابستہ سائنس دان جین مائرز
کہتے ہیں:
"زندگی کے اس نقش نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے.... یہ بے حد پیچیدہ نظام ہے۔ اس کی
ترتیب و ترتیب دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں زبردست انتہاء کی ذہانت کا دخل ہے"۔
اسی جذبہ حیرت نے پوری سائنسی برادری کو متاثر کیا ہے۔ سائنس داں اب مادہ پرستی اور
ڈارونزم جیسے نظریات دیکھ کر بھی حیران ہیں جنہیں اب تک وہ سچ سمجھتے آئے تھے۔ کچھ ماہرین
کھلے عام اس کا اعتراف کر رہے ہیں۔ حیاتی کیمیا داں، مائیکل بیہے اپنی کتاب "ڈارونز بلیک
بکس" میں سائنسی دنیا کی صورت حال کے بارے میں لکھتے ہیں:
"گزشتہ چار عشروں سے حیاتی کیمیا صرف خلیے کے رازوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔ اس
میدان کو جیتنا بڑا مشکل ہے۔ ہمیں ہزاروں، لاکھوں ماہرین درکار ہیں جو اپنی عمر کا بہترین حصہ
تجربہ گاہوں میں اس اہم کام میں صرف کر سکیں گے"۔
خلیات پر تحقیق اور حیات کی سالماتی سطح پر کھوج کے بعد یہ نتائج واضح اور روشن ہو چکے ہیں
کہ یہ سب فطرت میں نقش و نگار اور ترتیب کا کرشمہ ہیں۔ یہ نتائج اتنے واضح اور آنکھیں کھول
دینے والے ہیں کہ انہیں سائنسی تاریخ کی عظیم ترین فتوحات میں شامل ہونا چاہیے۔
"مگر یہ کیا ہوا کہ (مغرب میں) نہ ہی جھاگ اڑاتی بوتلیں کھلیں.... نہ ہی تالیاں بجائی
گئیں۔ آخر سائنسی برادری اس زبردست دریافت کو گلے کیوں نہیں لگا رہی ہے؟ بس مخمصہ یہی
ہے کہ جوں ہی وہ ذہانت بھری ترتیب کو قبول کریں گے تو دوسری جانب خدا کا تصور مسکرا رہا
ہوگا"۔

کچھ یہی حال فلکیات یا کونیات کا بھی ہے۔ بیسویں صدی کے نئے نظریات نے انیسویں
صدی کے مادہ پرستانہ خیالات کو ڈھا دیا ہے۔ پہلے بگ بینگ کا نظریہ آیا جو کہتا ہے کہ کائنات کا
آغاز ہوا تھا۔ اسے تخلیق کیا گیا ہے، اس کے بعد کائنات میں نفیس توازن، حسن اور نظم و ضبط
دریافت ہوا جو انسانی حیات کے تحفظ کے لئے بے حد ضروری ہوتا ہے۔ اس نظریے کو "بشری
اصول" (اینتھروپک پرنسپل) کا نام دیا گیا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ اب کونیات اور طبیعیات کی دنیا میں الحادی تصورات روبہ زوال ہیں۔ اس
سلسلے میں ایک امریکی ماہر طبیعیات رابرٹ گرفتھس کا لطیفہ بھی سن لیجیے: "اگر ہمیں بحث کے لئے
کسی ملحد کی ضرورت ہو تو میں کلیہ فلسفہ میں جاؤں گا کیونکہ شعبہ طبیعیات اس معاملے میں کسی کام کا

نہیں رہا ہے''۔

مختصراً ہمارے دور میں مادہ پرستی کا فلسفہ دم توڑ رہا ہے۔ سائنس اب نئے سرے سے وہ اہم حقائق دریافت کر رہی ہے جو مادہ پرستی کے نظریات کا رد کرتے ہیں۔ اس طرح سائنس کا ایک نیا تصور جنم لے گا۔ یہ ''ذہین ڈیزائن'' کا نظریہ ہے جو گزشتہ دس سال میں امریکہ میں کامیابی سے عروج حاصل کر رہا ہے اور یہ ان نئے نظریات میں اہم کردار ادا کرے گا۔ جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ برملا کہتے کہ ڈارون کا نظریہ سائنسی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی ہے اور فطرت میں ذہین ڈیزائن کا تصور ہی تخلیق کے ثبوت بیان کرتا ہے۔

حرف آخر

خدا نے ہی تمام کائنات کو تخلیق کیا اور تمام انسانیت کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ جو کچھ تخلیق ہو چکا ہے اس کی کھوج کا نام ہی سائنس ہے۔ آفاقی رہنمائی کے ذریعے ہی سائنس آگے بڑھ سکتی ہے لہٰذا سائنس اور مذہب کے تصادم کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

پوری تاریخ سے عیاں ہے کہ خدا پرستی ہی سائنسی ترقی کی ذمہ دار ہے۔ قرون وسطیٰ میں اسلامی سائنس کا ظہور اور آج کے دور میں مسیحی سائنس کی ترقی تاریخ کے یہ دونوں عظیم سائنسی انقلابات خدا پر ایمان ہی سے پیدا ہوئے۔ جبکہ آخر الذکر انقلاب نے پہلے یعنی اسلامی سائنس سے علم و حکمت اور کئی علوم مستعار لئے ہیں۔

قرآن نے سب سے پہلے اسلامی دنیا کو منور کیا اور بعد از اں غیر مسلم یورپ کو اپنی تابندگی بخشی۔ اگر اسلامی دنیا میں کوئی زوال آیا ہے تو اس کی وجہ ہم خود ہیں کیونکہ ہم نے اس حکمت، وسیع النظری اور اخلاص سے کنارہ کر لیا ہے جو اللہ نے ہمیں قرآن کے ذریعے عطا کئے ہیں۔

جبکہ مادہ پرستی کا مجموعہ قوانین اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ انیسویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوا، بیسویں صدی کے وسط میں اپنے عروج کو چھو کر اب تباہی کے کنارے کھڑا ہے۔

خواہ اس کے ماننے والے کتنے ہی کٹر اور پر اعتماد کیوں نہ ہوں، مادہ پرستی اور اس کا اہم ستون، ڈارونزم اگلے چند عشروں میں دھڑام سے آگرے گا۔

پھر سائنس اپنے درست اور واضح مجموعہ قوانین کی جانب پلٹے گی۔

یعنی عظیم ڈیزائن اور اس پر تحقیق، فطرت کی دنیا میں ہم آہنگی کی تلاش جسے عظیم خدا نے تخلیق کیا ہے۔

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں [illegible]؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزارات پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی
اثرات، امتِ مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔